دیوبند کا وجود مسعود

جہاں تک تحفظ دین، تردید مخالفین اور اصلاح مسلمین کا کام ہے۔ دار العلوم دیوبند کے مدرسین اور مبلغین کا حصہ سارے ہندوستان سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ مثال کے طور پر ان غیر محدود کوششوں کو ملاحظہ کر لیا جائے جو آریہ سماج نے اسلام کے خلاف کیں تو آپ کو روز روشن کی طرح نظر آئے گا کہ ان مساعی کے مقابلے میں سب سے نمایاں طریقے پر جو سینہ سپر ہوا وہ مدرسہ عالیہ دیوبند ہی ہے اور دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں دین حنیف، علوم عربیہ، تفسیر، حدیث اور فقہ کے چرچے جو نظر آتے ہیں بہت حد تک دیوبند کے وجود مسعود کی وجہ سے قائم ہیں۔

(روزنامہ سیاست لاہور، ... جون ۱۹۲۳ء)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دین پر ثابت قدمی

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ فَقُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِکَ وَبِمَا جِئْتَ بِہٖ فَھَلْ تَخَافُ عَلَیْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَآءُ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کہا کرتے تھے۔ اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ میں نے کہا اے اللہ کے نبیؐ! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور اس چیز کے ساتھ جو آپؐ لائے ہیں۔ پس کیا اب بھی آپ ہماری نسبت ڈرتے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں! دل اللہ تعالےٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ انہیں پھیرتا ہے جس طرح چاہتا ہے۔

اس حدیث میں انسان کی بے چارگی ظاہر کی گئی ہے اور اس کے ارادوں کی کمزوری۔ دل و دماغ کی کمزوری اور نیتوں کی بے ثباتی بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ثابت قدمی اور ارادہ کی مضبوطی انسان کے لیے آسان نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ ڈانواں ڈول اور ڈھلمل یقین رہتا ہے۔ ایک بات پر جم نہیں سکتا۔ اپنے بل بوتے پر استقامت حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالےٰ ہی ہے جس کی توفیق سے انسان کے ارادے مضبوط ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو نے ہمیں اپنے دین کی راہ دکھائی ہے۔ یہی راہ حق اور سچائی کی ہے۔ ہمیں اس پر جمائے رکھ، ہم تیری مہربانی کے بغیر محض اپنے بل بوتہ پہ دین حق پر قائم نہیں رہ سکتے۔ تو ہی ہمارے دلوں کو مضبوطی اور استقامت بخش۔

حضرت انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن کر تعجب کا اظہار کیا اور دریافت کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ہم اللہ تعالےٰ کے سچے دین اور اس کی کتاب پہ ایمان لے آئے ہیں تو پھر اب خوف کی کیا وجہ ہے!

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ گو ہم اللہ تعالےٰ کے دین پہ ایمان لے آئے ہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس پہ قائم رہیں۔ لیکن دنیا کی طرح طرح کی دل پسند چیزیں ہمیں اس دین سے ہٹانے کا باعث بن سکتی ہیں۔ ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہے انہیں پھیر سکتا ہے نیکی کی طرف بھی اور بدی کی طرف بھی۔ ممکن ہے ہمارے ارادے کمزور پڑ جائیں۔ ہماری نیتیں خراب ہو جائیں۔ اس لیے ہمیں اللہ تعالےٰ سے دعا مانگنی چاہیے کہ وہ ہمیشہ ہمیں راہ حق پر جمائے رکھے۔ ہمارے ارادے مضبوط رکھے۔ ہمارے دل نیکی کی طرف مائل رہیں۔ ہماری نیتیں درست رہیں اور ایمان پختہ رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نیت اور ارادہ کو درست رکھنا انسان کا فرض ہے پھر اس نیک ارادہ کے مطابق عمل کے لیے کوشش کرتے رہنا انسان کی ذمہ داری ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ اس کے لیے اللہ کریم کی جناب میں دعا کرتا رہے۔ حسن عمل کی توفیق اور اسباب و ذرائع کا پیدا کرنا اللہ جل شانہٗ کے اختیار میں ہے۔

دارالعلوم دیوبند

(مادرِ علمی کے ایک سو تیرھویں یومِ تاسیس پر)

برصغیر جو آج کل کئی ممالک کا مجموعہ ہے، صدر اول میں اسلام کی روشنی سے منور ہوا۔ اور پھر اس میں مدتوں اسلام و مسلمانوں کا طوطی بولتا رہا۔ حتیٰ کہ غازی اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد حالات نے جو پلٹا کھایا تو ایک طویل عرصہ تک سیاہ و سفید کی مالک قوم غلام بن گئی اور سات سمندر پار کے ایک حقیر و سازشی ٹولہ نے تاج و تخت پر غاصبانہ قبضہ جما لیا۔ اس گروہ ناہنجار کی اس خطہ میں ابتدائی آمد اکبر اعظم کے دور میں بہ حیثیت ثقافتی طائفہ کے ہوئی۔ لیکن اس موقعہ پر اسے یہاں کی دنیا ایسی پسند آئی کہ اس نے یہاں رہنے کا پروگرام بنا لیا اور مسلم فرمانرواؤں نے اپنی روایتی وسعت قلبی اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اجازت دے دی۔ تاہم خاک سرہند کا گلیم پوش مستقبل کی تاریکی کو دیکھ رہا تھا جس کا اس نے اظہار بھی کیا اور بعد میں اسی کے کام کی تکمیل کے لیے مقام تجدید پر فائز ہونے والے ایک دوسرے فاروقی النسل بزرگ یعنی حکیم الامت امام ولی اللہ دہلویؒ نے حالات کی سنگینی کو اور شدت سے محسوس کیا۔ لیکن مسلمان قوم بڑی تیزی سے اپنے بدانجام کی طرف رواں دواں تھی اور کسی مصلح کی کوئی بات اس پر اثر انداز نہ ہوتی تھی۔

بالآخر وہ روز سیاہ آ گیا جبکہ شاہ عبدالعزیزؒ کے فتویٰ جہاد، سلطان ٹیپوؒ، سراج الدولہؒ، مجاہدین بالاکوٹ اور تیتو میر کی عدیم المثال قربانیوں اور پھر ۱۸۵۷ء کی ملک گیر عظیم انقلابی تحریک کے باوجود گوری چمڑی والا بھیڑیا ملک و ملت پر مسلط ہو گیا۔ یہ وقت تمام اقوام ہند بالخصوص ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی نازک تھا۔ مسلمان قوم کے آثار کو بالخصوص مٹانے پر انگریز تلا ہوا تھا۔ اس کے رہنما اس کی نگاہ میں تھے اور وہ انہیں کسی قیمت پر زندہ رہنے کا حق دینے کے لیے طیار نہ تھا۔ اس پر آشوب اور سنگین دور میں خدا

کے چند مخلص بندے جنہوں نے شاملی کے میدان میں داد شجاعت دی تھی سر جوڑ کر بیٹھے اور ایک ایسی تحریک کی داغ بیل ڈالی جو دیکھتے دیکھتے اس شجرہ طیبہ کا روپ دھار گئی جس کے متعلق جناب باری نے اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ فرمایا ہے۔

یہ ایک "علمی تحریک" تھی جس کی داغ بیل مشہور عالم قصبہ دیوبند کی جامع مسجد میں موجود ایک انار کے درخت کے نیچے ڈالی گئی۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے یہ سلسلہ پورے ملک میں پھیل گیا۔ اور وہ ابتدائی کڑی جو حاسدوں اور تیرہ باطنوں کو تار عنکبوت معلوم ہوتی تھی ایک عظیم یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ جس کو آج مادرِ علمی' ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مدرسہ جس ماحول اور جس منظر میں بنا وہ اس قسم کے کاموں کے لیے قطعاً سازگار نہ تھا لیکن حرمین شریفین کی مقدس سرزمین پر شاہ عبدالغنیؒ اور حاجی امداد اللہ علیہما الرحمۃ جیسے ارباب بصیرت کے سجدہ ہائے نیاز اور ادھر مولانا محمد قاسم نانوتوی' حاجی عابد حسین' مولانا ذوالفقار علی (والد ماجد شیخ الہند) اور مولانا فضل الرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے باخدا انسانوں کی مخلصانہ سعی و جد و جہد نے اس تحریک کو واقعیت کا رنگ دے دیا وہ تحریک جو آج اپنی زندگی کے ۱۱۳ سال پورے کر چکی ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے ستم رسیدہ اور دکھی انسانیت کے لیے "مسیحا" کا کام دیا۔ اس مادرِ علمی نے علوم نبوت کی بکمال و تمام خدمت و حفاظت کی، عقائد اسلامی کو دستبرد زمانہ سے بچایا۔ اعمال و کردار اور تہذیب و تمدن کے مٹتے نقوش پھر سے اجاگر کیے اور ہند جو کبھی گلشن اسلام تھا اس میں پھر بہار آگئی۔

دارالعلوم نے اپنی طویل تاریخ میں لاتعداد محدث، مفسر، خطیب، ادیب، دانشور، صحافی، مدرس، مناظر، مفتی اور اصحاب طریقت پیدا کیے۔ ان میں ہر فرد آفتاب و ماہتاب تھا اور بزم کے ساتھ ساتھ رزم سے بھی بھرپور مناسبت رکھتا تھا۔

دارالعلوم کے قابل فخر فرزندوں نے طویل اور صبر آزما جد و جہد سے انگریز کو بستر بوریا سمیٹنے پر مجبور کیا اور اس طرح بالاکوٹ و شاملی کے میدانوں میں خالدؓ و طارقؒ کا کردار اپنانے والے مجاہدین کے وارث حقیقی ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔

ان سعید الفطرت افراد نے انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزائیت کا تعاقب کیا رفض و باطنیت کی سرکوبی کی۔ "اعلیٰ حضرت" کی دینی بدعت و خرافات کی قلعی کھول کر اس قصر ضلالت کو زمین بوس کیا اور تجدد و تعقل کی گمراہ کن تحریکوں کا پردہ چاک کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے ظلمت کدہ میں اس مشعل اسلام کے ذریعہ روشنی پھیلی۔ اور پھر یہ روشنی سارے عالم کو جگمگانے کا باعث بنی۔ آج مکہ معظمہ کا مدرسہ صولتیہ ہو یا مدینہ طیبہ کا مدرسۃ الشرعیہ وہ اسی شجر طوبیٰ کی شاخیں ہیں۔

آج چین و ترکستان' بلاد اندلس و افریقہ اور ایشیا و یورپ کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں مادر علمی کے فرزند دین و معرفت کی خدمت میں مصروف نہ ہوں حتیٰ کہ اس تربیت گاہ دینی کے غازی اور مجاہدین نے الجزائر وغیرہ ممالک کی غلامی کی زنجیریں تک کاٹنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

دیوبند کو ایک دنیا خراج عقیدت پیش کر چکی ہے اور ان خراج عقیدت پیش کرنے والوں میں اپنے ہیں تو بیگانے بھی!

ہر چند کہ اس "قصر رفیع" کو ڈھانے کے لیے انگریز اور اس کے حواریین بالخصوص مجدد بدعات و خرافات اور اس کے پسماندگان و متعلقین نے ہر شرمناک سے شرمناک طریق اپنایا لیکن لاکھوں بندگان خدا کی مخلصانہ دعاؤں کے بل پر خدائے علیم نے علم و معرفت کی جو چابیاں "قاسم العلوم والخیرات" کو دی تھیں وہ بحمدہٖ سلامت ہیں اور سلامت رہیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ میکالے کی اس خواہش کہ ہمیں ایسے ہندی افراد کی ضرورت ہے جو ذہناً عیسائی ہوں کو شیخ نانوتویؒ ہی نے پورا نہ ہونے دیا اور انہوں نے ہندی سانچوں کو حجازی قالب میں ڈھال کر جریدۂ عالم پر اپنا نام ثبت کرا دیا۔

خدا اس منبع رشد و ہدایت کو تا قیام قیامت سلامت رکھے اور اس کے بانیوں کو اپنی مخصوص رحمتوں سے

نوازے ۔ ع
این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فلم محمد رسول اللہ

حال ہی میں کراچی سے نئے جاری ہونے والے ہفتہ وار اخبار "معیار" کی اشاعت مجریہ ۳ر جنوری ۷۶ء کے صفحہ ۵۷ - ۵۸ پر بیروت کے ایک حوالہ سے مراکش میں آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بننے والی فلم سے متعلق بعض تصاویر شائع ہوئی ہیں ۔ معاصر موصوف نے دراصل قطر میں رہنے والے ایک پاکستانی کے خط کی بنیاد پر یہ مواد شائع کیا ہے" اور اپنے طور پر اس ناروا جسارت پر شدید احتجاج بھی کیا ہے ۔

ہمیں حیرت ہے کہ مراکش جیسا ملک جسے اپنی "اسلامیت" پر بڑا ناز ہے وہ اس قسم کی انتہائی افسوسناک حرکت کا مظاہرہ کر رہا ہے ۔ خبر کے پیش نظر اس فلم کی شوٹنگ کے لیے متعلقہ لوگ ایک عرصہ سے صحرا میں ڈیرا ڈالے ہوئے اور خبر سے ان کی خوراک کا تمام انتظام لندن کی ایک کمپنی کے ذمہ ہے ۔ اس فلم میں ایک بدبخت اداکار نے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار ادا کیا ہے ۔ جبکہ انتھونی کوئن جیسے بدنام زمانہ اداکار حضرت حمزہؓ اور ایرین پاپاس حضرت ہندہؓ کا کردار ادا کر رہے ہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس خبر کو پڑھ کر اور ان تصاویر کو دیکھ کر ہمارا خون کھولنے لگا لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی بے بسی سامنے آگئی ۔ آج کی مسلم حکومتیں اور مسلم عوام دینی اور ملی نقطہ نظر سے جس اخلاق باختگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور جس طرح اپنی روایات کو پامال کر رہے ہیں اس کے بعد یہ سوچنا کہ ہم دنیا میں ذلیل کیوں ہیں؟ بے سود ہے ۔ ہماری ذلت و رسوائی کے اسباب میں اس قسم کی قبیح حرکات ہیں اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگر اس صورت حال کا تدارک نہ ہوا تو غیرت خداوندی جس طرح اپنے جلال و جبروت کا مظاہرہ کرے گی اس کی تاب کسی کے بس میں نہ ہو گی ۔

ہم دنیا بھر کے علماء ، صلحاء ، اہل علم و دانش ، ارباب اختیار و اقتدار اور عام مسلمانوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے دوائر میں بلاتاخیر اس شرمناک فلم کے خلاف آواز اٹھائیں اور مراکش کو مجبور کر دیں کہ وہ اس منصوبہ کو نہ صرف ترک کرے بلکہ پوری ملت اسلامیہ سے معافی بھی مانگے ۔ اگر اس مسئلہ کو اسلامی سیکرٹریٹ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کا فوری تدارک کرے تو یہ بات لائق تحسین ہو گی ۔

آہ ملک لال خان مرحوم

ضلع گجرات کے مشہور قومی کارکن اور تحریک خلافت و ہجرت کے رہنما ملک لال خان گذشتہ دنوں فالج کے حملہ کے سبب لاہور میں انتقال کر گئے ۔ ہم نے یہ خبر پڑھی تو گذشتہ نصف صدی سے زائد کی تاریخ کے اوراق ہمارے سامنے آ گئے ۔

تحریک ریشمی رومال کا راز افشا ہونے پر جب انگریز سامراج نے دوسرے اکابرین امت اور اعیان ملت کے ساتھ شیخ التفسیر مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالے کو دہلی سے گرفتار کر کے شملہ ، راہوں (جالندھر) وغیرہ میں نظر بند رکھنے کے بعد لاہور بھیجا اور یہاں دو ضامن طلب کیے کہ اس کے بغیر لاہور میں آزاد رہنے کی گنجائش نہ تھی اور لاہور کے علاوہ آپ کو کہیں رکھنا خطرہ سے خالی نہ تھا ۔ حضرت لاہوریؒ کئی دن مسافرت و غربت کے عالم میں تھانہ نولکھا لاہور کے حوالات میں رہے ۔ آخر آپ کے ایک عزیز قاضی حافظ ضیاء الدین صاحب جو فاضل دیوبند تھے اور گوجرانوالہ کالج کے پرنسپل تھے ، لاہور آئے اور ضمانت کا اس طرح انتظام کیا کہ اپنے ساتھ ملک صاحب کو بھی آمادہ کیا جو کالج کمیٹی کے صدر تھے اور اس طرح شیخ التفسیرؒ کو دو ضامن پیش کرنے کے بعد ایک درجہ میں آزادی ملی ۔

اس واقعہ کے بعد حضرت شیخؒ سے ملک صاحب کا مسلسل تعلق رہا ۔ اور حضرتؒ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین و صاحبزادہ گرامی مولانا انور سے بھی ان کا واسطہ و ملاقات رہی ۔

(باقی ص۱۲ پر)

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کا مبارک کام !

ضبط و ترتیب : ادارہ

جانشینِ شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدھم

بعد الحمد والصلوٰۃ :

اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے پھر سے ہمیں مل بیٹھ کر اپنا نام لینے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی اس بے نیاز داتا کے حضور میرا سر نیاز سجدہ ریز ہے کہ اس نے حرمین شریفین کی حاضری سے نوازا۔ اور یہ سب کچھ ایسے حال میں ہوا کہ اپنے پلّے پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہر سال مالک الملک انتظام فرماتے ہیں۔ لیکن بعض دوسری دینی مصروفیات کے پیشِ نظر ہر سال ممکن نہیں ہوتا۔ پروردگارِ عالم میری اس حاضری کو منظور و قبول فرمائیں۔ اور مجھ سمیت آپ سب کو بار بار اس سعادت سے نوازیں۔

حضرت رحمہ اللہ تعالےٰ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے باوجودیکہ ظاہری اسباب صفر کے درجہ میں تھے لیکن یہ گھر والے کا کرم ہے جس کو چاہے اپنا مہمان بنا لے۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالےٰ پھر اس کے ہو جاتے ہیں اور اس کی ضروریات کو اس طرح پورا فرماتے ہیں کہ انسانی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔

اس دفعہ سفر کے دوران ایک انتہائی عابد و زاہد، متقی اور باخدا انسان سے ملاقات کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔ جو روحانی کمالات و مرتبہ کے اعتبار سے ابدالیت کے درجہ پہ فائز ہیں گویا ابدال ہیں۔ یہ بزرگ حضرت اقدس قدس سرہٗ سے بھی اکثر ملتے اور آپس میں بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اس باخدا انسان کی ملاقات سب سے پہلے ہمارے برادرِ مکرم حضرت الحاج الشیخ حبیب اللہ مہاجر قدس سرہٗ سے ہوئی۔ اور انہی کے توجہ دلانے پر موصوف والد گرامی حضرتؒ سے ملے اور یہ ملاقات بڑھتے بڑھتے خوشگوار اور بہترین تعلقات کا پیش خیمہ بن گئی۔ ہمارے بھائی جان مکرم بہت بڑے آدمی تھے۔ خدا نے مدت العمر انہیں حرمین کی عطر بیز فضاؤں میں خدمت دینی کی توفیق بخشی۔ ان کا ماہانہ مشاہرہ اتنا تھا کہ ہمارے یہاں کے وزراء بھی شائد اتنا نہ پاتے ہوں لیکن وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے تمام مال راہ خدا میں لٹا دیتے تھے۔ مجھے حضرت مولانا بنوری نے فرمایا کہ ہم پہلے مولانا حبیب اللہ کے مقام سے آگاہ نہ تھے لیکن حاجی محمد یوسف صاحب آف کراچی نے جو کچھ ان کے متعلق بتلایا تو ہم حیران رہ گئے۔

تو بہرحال ان ابدال صاحب سے ملاقات ہوئی وہ بہ تقاضائے عمر بہت کمزور ہو چکے تھے کافی دیر تک ان سے باتیں ہوئیں۔ گفتگو کا مرکزی عنوان حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور بھائی جان تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم عظیم باپ کے بیٹے اور عظیم انسان کے بھائی ہو۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں کشف کے ذریعہ یہاں سے تمہاری مسجد اور مجلس ذکر وغیرہ کی برکات دیکھتا ہوں۔

ابدال کا ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت خلیفہ راشد سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ و کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے جب درخواست کی کہ اہل شام نے جو تکالیف دی ہیں تو ان کے لیے بددعا کریں تو انہوں نے اس وجہ سے گریز کیا کہ اس علاقہ میں ۴۰ ابدالوں کی آمد حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

اس سفر میں حسب سابق مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ اور مدرسۃ الشرعیہ مدینہ منورہ دیکھنے کا بھی موقعہ ملا۔ اوّل الذکر مشہور ہندی عالم

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

خطبہ جمعہ

یہود و نصاریٰ ابتداء ہی سے مسلمانوں کے درپے آزار ہیں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

ضبط و ترتیب "ادارہ"

بعد از خطبہ مسنونہ :-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

محترم حضرات! آج کی معروضات جمعہ کا عنوان وقت کی مناسبت سے خلفاء راشدین بالخصوص سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ہے۔ خلفاء راشدین صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مقدس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی خوش قسمت گروہ ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے! اس کے علاوہ بھی اس گروہ کی قرآن میں بار بار تعریف فرمائی اور انتہائی اونچے لفظوں میں ان کا تذکرہ فرمایا۔ اس کے بعد کوئی دوسرا گروہ ان کی عزت و توقیر میں بخل و بد دیانتی سے کام بھی لے تو اس کا یہ عمل و ارادہ بیکار ثابت ہو گا اور اسے کامیابی حاصل نہ ہو گی۔

جب نسل انسانی گمراہی، ضلالت اور قانون شکنی میں بری طرح مبتلا تھی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کی تعلیم کو بالکل پس پشت ڈالا جا چکا تھا تو غیرت حق جوش میں آئی اور اس نے نسل انسانی کے آخری ہادی و رہنما کے طور پر حضرت نبی کریم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا وہ نبی امّی جن کی آمد آمد کے متعلق بشارات کا سلسلہ سارے نبیوں میں رہا تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کچھ سعید الفطرت لوگ آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے مثلاً حضرت سلمان فارسی، ورقہ بن نوفل وغیرہ اور ان حضرات کے ذرائع معلومات پچھلی کتابیں تھیں۔ جن کی بناء پر انہیں ظہور قدسی کا انتظار تھا۔

اور جب آپؐ نے بحکم خدا اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جن ازلی سعادت مندوں نے سب سے پہلے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا ان میں اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو پندرہ برس سے آپؐ کے نکاح میں تھیں۔ اور خلوت تک کی زندگی سے آگاہ تھیں۔ وہی خدیجہؓ جنہوں نے شراکت پر کاروبار کرنے کے بعد آپ کے اخلاق فاضلہ سے متاثر ہو کر نکاح کی خواہش ظاہر کی۔

پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم تھے لیکن انہوں نے سنا تو بلا تاخیر اور بلا جھجک قبول کیا۔ وہی صدیقؓ جسے رفاقت غار کا اعزاز نصیب ہوا اور جس کے حزن و ملال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لَا تَحْزَنْ مت گھبرا کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی غار میں سانپ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈستا ہے۔ تو آپ نے لب مبارک اس جگہ لگا دی۔ تو آپ فوراً اچھے ہو گئے۔ مکہ کی صورت حال اسی طرح رہی۔ ابتداء میں مسلمان ہونے والے بہت کم تھے۔ ترقی کی رفتار بہت سست تھی تاہم اس میں

صدیق اکبرؓ کی دعوت دکوشش کا بڑا حصہ تھا۔ اسی دوران حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اور حضور علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ بن کر آئے۔ یعنی آپؐ نے دعا فرمائی تھی۔ کہ اے اللہ! عمر اور عمرو (ابوجہل) میں سے ایک کو عزت و غلبہ اسلام کے لیے اسلام کی توفیق دے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ مسلمان ہوگئے۔ نبوّت کے گیارھویں برس مدینہ کے کچھ لوگ موسم حج میں آئے۔ عقبہ کے مقام پر چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ اگلے سال مدینہ کے بارہ اور اس سے اگلے سال ۷۲ حضرات مسلمان ہوئے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔

اس کے بعد آپؐ اللہ کے حکم سے مدینہ تشریف لائے اور ہجرت ہوگئی۔ مدینہ میں یہود کا غلبہ و تسلط تھا۔ تجارت دولت تعلیم وغیرہ پر قبضہ تھا۔ دولت کے سخت پجاری تھے۔ دنیوی زندگی کے سخت حریص تھے اور مدینہ پر قابض تھے۔ وہی یہودی جو قتل انبیاء کے شدید و سنگین جرم کے مرتکب ہو چکے تھے مثلاً حضرت زکریا، حضرت یحیٰی، حضرت یرمیاہ، حضرت یسعیاہ علیہم السلام وغیرہ ذالک۔ پھر انہوں نے مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن خدا نے انہیں بچا لیا اور زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ اس وقت کی جو پرانی چیزیں برآمد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کے لیے اس قدر کوشاں تھے کہ پہلے تو جھوٹے الزام لگائے گئے اور عدالت کو مجبور کیا کہ حسب منشا حکم دے ورنہ ہم بلوہ کر کے عدالت کا کباڑا کر دیں گے اور جج کو قتل کر دیں گے۔

چنانچہ اس جج نے دستور کے مطابق پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے اور کہا کہ یہ زبردستی مجھ سے حکم لکھوا رہے ہیں میں بری الذمہ ہوں۔ چنانچہ یہودی تو یہی کہتے رہے کہ ہم نے قتل کر دیا۔ لیکن خدا نے کئی سو سال بعد آ کر اس راز کو منکشف کیا کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کہ انہوں نے انہیں قتل بھی نہیں کیا اور سولی پر بھی نہیں لٹکایا۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وہ شبہ میں مبتلا کر دیے گئے۔

تو بہر حال حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لائے۔ وہ دن گزرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۶ھ کا سال آیا۔ اس سال آپؐ نے خواب دیکھا کہ میں عمرہ کر رہا ہوں۔ اس خبر سے صحابہ کرامؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی لوگوں نے طیاری شروع کر دی اور چل دیئے۔ لیکن بدقسمت کفار نے راہ روکی تو حضور علیہ السلام نے کمال دانش مندی سے بجائے لڑنے کے حدیبیہ میں قیام فرمایا اور حضرت عثمانؓ کی وساطت سے سفارت بھیجی اور اپنا مقصد و مدعا بیان فرمایا۔ لیکن وہ لوگ نہ مانے الٹا حضرت عثمانؓ کو قید کر لیا۔ خبر اُڑ گئی کہ آپ شہید کر دئے گئے تو حضرت نبی کریم علیہ السلام نے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی غائبانہ بیعت اس طرح لی کہ اپنے ایک ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر بیعت عثمانؓ کا اعلان فرمایا۔ بعد میں حضرت عثمانؓ تشریف لائے اور کفار کے نمائندے بھی آئے تو مصالحت ہوئی۔ صلح کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے حق میں افسوسناک تھیں جن کو بعض حضرات نے شدت سے محسوس کیا۔ بالخصوص حضرت عمرؓ کو بہت محسوس ہوا اور انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض بھی کیا لیکن آپ نے مطمئن کرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ۷ھ میں مسلمانوں نے عمرة القضا کیا تو ۸ھ میں مکہ فتح بھی ہو گیا۔ العظمۃ للہ! اور پھر دشمنوں پر جو مسلمانوں کی دھاک بیٹھی تو ان کے پتے پانی ہو گئے۔

حضور علیہ السلام نے کمال تحمل و بردباری سے ساری عمر کے دشمنوں کو معاف کر دیا۔ اور ایک شخص کی نکسیر تک نہ پھوٹی اور اسلامی انقلاب خوش اسلوبی سے بپا ہو گیا۔

اہل اسلام کے کردار کے اخلاق و کردار کی بلندی اس قسم کے واقعات سے جھلکتی ہے، خیر یہ تو نبیؐ کی بات ہے کہ آپؐ خود اس موقعہ پر تھے۔ بعد میں بھی آپؐ کے خدام کا یہی حال رہا۔

جب انگریز اور یورپین اقوام نے ترکوں کے خلاف شریف مکہ وغیرہ سے بغاوت کرائی تو اس زمانہ میں پنجاب کے نام نہاد پیر جنہیں آن آزادی کا ہیرو کہا جاتا ہے نے مخلوق کے حساب سے تعویذ دیتے اور وہ مرید پھر چند کوڑیوں کی غرض سے مکہ و بغداد پر گولیاں برساتے رہے۔ لیکن غلامان محمد (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کی حیثیت سے ترکوں کا کردار یہ تھا کہ بقول حضرت مدنی علیہ الرحمہ ترک سنگین بردار تھا۔ اسلحہ بردار تھا لیکن جوابی کاروائی سے گریز کرتا تھا کہ اس شہر میں اسوۂ نبوّت یہی تھا اور قرآن کا فرمان ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا تو

ترکوں کی وہ مظلومیت اور ادب و احترام رنگ لائی۔ ان کی آج بھی عزت ہے اور یہ بدنصیب خطہ جس نے یونین جیک کی سربلندی کے لیے مکروہ کارنامے سرانجام دیئے آج تک ذلیل ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے کہ کعبہ کی حرمت پامال کرنے والوں کو خدا کیسے معاف کر دے؟ اور پھر شریف بھی ذلیل ہوا۔ اس نے بعد میں جب باتیں نہ مانیں تو شاہ سعود کو اس کے خلاف بھڑکا دیا اور وہ چڑھ دوڑا اور خائب و خاسر ہوا۔ اور برادر مکرم مولانا حبیب اللہ مرحوم کے کہنے کے مطابق سعود نے طائف میں خوب قتل و غارت کرائی۔ کہ دھاک بیٹھ جاتے۔ اس قتل و غارت گری کے پیش نظر مکہ و مدینہ میں وہ خاموشی سے داخل ہو گیا۔

بہرحال حضور علیہ السلام نے اس وقت عفو و درگزر کا بھرپور مظاہرہ فرمایا اور جوابی کاروائی سے مکمل گریز کر کے سب کو معاف کر دیا۔

تو بات یہود کی دشمنی کی تھی۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں کسی شرارت سے گریز نہیں کیا مسجد ضرار کے نام پر سازشیں کی۔ پتھر گرا کر شہید کرنا چاہا۔ میثاق مدینہ کے باوجود دشمنوں سے سازباز کی اور آپ کو گوشت میں زہر تک دینے سے گریز نہ کیا۔ آخر آپ نے اُخْرِجُوا الْیَهُودَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ فرمایا۔

اس سلسلہ کی تکمیل حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوئی اور یہ وہاں سے نکل کر دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور جہاں گئے وہاں شرارتیں کرتے رہے اور آخر ہٹلر نے تنگ آ کر ان کی خوب گوشمالی کی۔

یہ قوم دنائت، رذالت اور ہوس مال و زر میں اپنی مثال آپ ہے۔ ہٹلر کی طرف سے بربادی آئی تو پھر ادھر ادھر چلے گئے اور آج کل روس ان سے تنگ ہے اور چاہتا ہے کہ یہ یہاں سے چلے جائیں، ان کی اس بربادی کا سبب خدا کا ارشاد ہے۔ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ اس زمانہ میں یورپ کی خباثت نے انہیں عربوں کے سر پہ مسلط کر دیا۔ اور قلب عرب میں ان کی ریاست بسا دی۔ اور ان ساری بدبختیوں کا سبب قتل انبیاء و تکفیر بآیات اللہ وغیرہ ہے۔

تو حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے بعد جب استحکام ہو گیا اور بیرونی خطرات بہت حد تک ختم ہو گئے اور اطراف میں مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا تو آپ نے نظم مملکت کی طرف توجہ دی۔ آج لوگ جمہوریت جمہوریت کی رٹ لگاتے ہیں لیکن حضور علیہ السلام نے جو نظام حکمرانی تجویز فرمایا اور جس پہ عمل کیا اور جس کی روشنی میں خلفائے راشدین نے نظم چلایا اس میں یہ جمہوریت نام کو بھی نہیں اور ان مدعیان جمہوریت کا عمل یہ ہے کہ نہ مشرقی پاکستان والوں کو حق دیا نہ اب بلوچستان و سرحد کو حق دے رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے حقوق پامال کیے تو ملک دولخت ہوا اور اب جو کچھ کر رہے ہیں ان کے نتائج جو ہوں گے ان کے تصور سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ خدا ان حکمرانوں کے شر سے ہمیں بچائے۔

حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سربراہ مملکت بنے، ان کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ بنے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر تحریر لکھوائی۔ اتفاق سے اس دوران حضرت صدیق رضؓ کو غشی کا دورہ پڑ گیا تو حضرت عثمانؓ نے از خود حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ اور جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو سکون ہوا تو انہوں نے یہ سن کر کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا ہے نعرۂ تکبیر لگایا اور خوشی کا اظہار کیا کہ میری عین منشا کے مطابق کیا ہے اور میرے دل کی بات کی۔ بعض حضرات نے حضرت عمرؓ کی سخت گیری کی شکایت ضرور کی تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں خدا کے سوال پر بتا دوں گا کہ بہترین آدمی کو امت کا سربراہ بنا آیا ہوں اور یہ کہ بار آئے گا تو سخت گیری خود بخود نرمی میں بدل جائے گی۔

چنانچہ خلیفہ بنے تو وہی کچھ ہوا کہ دجلہ و فرات کے کنارے بھوک کے ہاتھوں مرنے والے کتے کی موت کا وہ اپنے آپ کو ذمہ دار گردانتے ہیں چھوٹے چھوٹے واقعات کو اکٹھا کیا جائے تو دفتر طیار ہو جاتا ہے۔ ایک شامی عیسائی رئیس جبلہ جو مسلمان ہو گیا تھا کے جبہ پر حالت طواف میں کسی غریب مسلمان کا پاؤں پڑ گیا۔ اس نے غصہ سے تھپڑ مار دیا۔ دربار خلافت نے جواب طلبی کی تو اس نے کہا کہ ہم تو اس قسم کے جرائم پر لوگوں کو قتل کرتے ہیں

لیکن آپ نے فرمایا وہ دور گزر گیا اب تو جوابی کاروائی ہوگی اور ضرور ہوگی۔ آپ نے عدالت کو مجروح نہیں کیا وہ اگرچہ کافر و مرتد ہوگیا۔ اس کی پرواہ نہیں کی۔ اور حضرت عمرو بن عاص گورنر مصر کے بیٹے کو ذرا اپنے آپ پر ناز تھا۔ اس نے کسی کو کوڑے مار دیئے اس نے دربار خلافت میں اپیل کر دی تو حضرت عمرؓ نے آرڈر بھیجا۔ معزز (یعنی گورنر زادہ) یہاں بھیجا جائے۔ اور چنانچہ اسی کوڑے سے جوابی کاروائی کی۔ یہ جمہوریت تھی یہ انصاف و عدالت تھا۔

آپ کے واقعات کا احاطہ مشکل ہے۔ دنیا یورپ اپنی ہزار بد باطنیوں کے باوجود انہیں جمہوریت و عدل و انصاف کا چیمپئن سمجھتے ہیں۔

آج ہمیں شرم آتی ہے کہ قیمتوں کے مسئلہ پر گڑبڑ ہو جائے تو برطانوی حکومت نئے انتخابات پر مجبور ہو جائے امریکی صدر ذرا سے واقعہ پر رخصت ہو جائے اور بھارت کا ریلوے وزیر ریل کے حادثہ سے استعفیٰ دے دے۔ لیکن ہمارے یہاں دعویٰ ایمان کے باوجود نہ عدل ہے نہ انصاف، نہ شرم نہ حیا، الامان والحفیظ۔

آج خطرناک ڈکٹیٹرشپ ہمارے اوپر مسلط ہے، آمریت اسی کا نام ہے کہ ایک شخص کی زبان اور اس کا قول قانون ہے باقی کسی چیز کی پروا نہیں۔ سب نے مل کر قانون بنایا۔ ترمیموں سے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اور بقول مفتی محمود صاحب وہ بے باکی سے سب کے سامنے کہتا ہے کہ قانون پر کون عمل کرتا ہے؟

اب بلوچستان میں جو ہوا ہے یہ ہماری بات کا واضح ثبوت ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ بلوچستان میں حکومت غیر نمائندہ ہے، غیر حقیقی ہے۔ ہماری تو نہ مانی اب کہتے ہیں کہ وہ نااہل تھے اس لیے وزارت ختم کر دی گئی لیکن وزیر سے مشیر بھی بنا دیا۔ ع

"جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

ہم غیر ملکی غلامی کے بعد آج اپنوں کے غلام ہیں۔ قانونِ خداوندی سامنے ہے لیکن اس پر عمل نہیں اس سے گریز ہے تاہم آپ لوگوں نے یوم سیاہ منا کر کچھ نہ کچھ ہمت کی۔ اگر آپ نے اسی طرح اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کیا۔ عزم و حوصلہ سے رہے تو انشاء اللہ یہ نازی حرب اور ہٹلر کی سوچ برباد ہو کر رہ جائے گی ضرورت عزم و حوصلہ کی ہے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ جب عزم کر لیا تو اب خدا پر بھروسہ کرو۔ یاد رکھیں مدد خداوندی قریب ہے۔ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ۔ لیکن ضرورت ہے کہ ہم دین کے خادم بن جائیں۔ إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔

سفر حج کے موقعہ پر ترک، سوڈان، شام، نائیجیریا، صومالیہ وغیرہ کے علماء سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دعا کی درخواستیں کی ہیں۔ شام کے لوگ حافظ الاسد سے بڑے مطمئن ہیں۔ بلکہ ہمارے سفیر میاں سلیم اللہ جو سعودی عرب میں ہیں وہ بھی بڑی تعریف کر رہے تھے حافظ الاسد کی۔ اسی طرح مصری لوگ سادات کی پالیسیوں پر مطمئن ہیں۔ ہم نے ان سے درخواست دعا کی اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت پر چلنے کی توفیق بخشے اور خلافت راشدہ کا نظام اور ان کی برکات سے ہمیں مالا مال فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

بقیہ: شذرہ

موصوف ایک منجھے ہوئے قومی ورکر اور بیدار مغز سیاسی رہنما تھے اور مصائب و آلام کے دور میں عام کارکنوں کے گھروں کی خبرگیری میں تو وہ اپنی مثال آپ تھے۔ جو پرانے بادہ کش تھے وہ ایک ایک کر کے اُٹھتے جا رہے ہیں، ملک صاحب بھی اسی قافلہ کے ایک فرد تھے۔ اور طویل جد و جہد کے بعد تھک ہار کر وہ بھی اپنے خالق و مالک سے جا ملے۔ مرحوم نے امسال فریضہ حج بھی ادا کیا اور اس موقعہ پر جنگ آزادی کے مشہور رہنما حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمی و روحانی یادگار مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں ایک لاکھ روپیہ عطیہ دیا۔ وہیں آپ کی صحت متاثر ہوئی جو بالآخر آپ کی موت کا باعث بنی۔ ہم مرحوم کے لیے دست بدعا ہیں کہ اللہ رب العزت انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

ادارہ خدام الدین اپنے امیر مکرم مولانا انور سمیت مرحوم کے لواحقین کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے اور اس

نیشنل بک فاؤنڈیشن کا رسالہ "آزادی کے مجاہد" بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے۔ اس کے فاضل مرتب "محمود الرحمٰن" نے حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید، حاجی شریعت اللہ، مولانا فضل حق خیرآبادی، دودو میاں، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود حسن دیوبندی کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے یوم تاسیس کے موقع پر مولانا محمد قاسم نانوتوی کا تذکرہ بصد شکریہ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

یہ ۱۸۵۷ء کا زمانہ ہے۔ مسلمان قوم پوری طرح بیدار ہو چکی ہے۔ انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ لاوے کی طرح پک چکا ہے اور اب بھی لاوا انقلاب کی شکل میں پھوٹ پڑا ہے۔ ملک کے کونے کونے میں جنگ آزادی کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ میرٹھ میں باقاعدہ لڑائی کی ابتدا بھی ہو گئی ہے۔

اس وقت ضلع مظفر نگر کی مشہور بستی تھانہ بھون میں چند علماء اکٹھے ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی انگریزوں کے خلاف ہیں۔ انہیں یہ نئی حکومت ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ اسے ختم کرنے کے لیے ایک انقلابی جماعت بنانا چاہتے ہیں تاکہ انگریزوں سے باضابطہ جہاد کیا جا سکے۔

اس موقع پر ایک بزرگ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ "انگریزوں کی طاقت ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے پاس نہ فوج ہے نہ سامان جنگ۔ ایسی صورت میں آزادی کے لیے جہاد کرنا مناسب نہیں۔"

ان کی یہ بات سن کر تئیس سال کا ایک نوجوان شخص کھڑا ہوتا ہے اور نہایت جوش میں یہ کہتا ہے:
"کیا ہم جنگ بدر میں شریک ہونے والوں سے زیادہ بے سروسامان ہیں؟"

جلسے کا صدر نوجوان کی یہ بات سن کر خوش ہوتا ہے فوراً انقلابی جماعت بنائی جاتی ہے اور اس نوجوان کو مجاہدوں کا سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ شخص مشہور دینی مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔

جب انگریزوں نے اس بستی کے مورچے پر حملہ کیا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی اپنی جماعت لے کر وہاں پہنچ گئے اور پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے۔ انگریز بندوقیں سنبھالے تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور مولانا محمد قاسم تلوار لیے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ناگہاں ایک فائر ہوا اور یہ زخمی ہو گئے۔

ان کے دوسرے ساتھی حافظ ضامن کے پیٹ میں گولی لگی اور وہ شہید ہو گئے۔ لیکن مجاہدوں کا یہ قافلہ آگے بڑھتا گیا اور آخر کار گوروں کے میگزین پر قبضہ کر لیا۔

لیکن یہ فتح وقتی تھی۔ انگریزوں کی مزید فوج دندناتی ہوئی آ پہنچی۔ تھانہ بھون کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ گولہ باری شروع کر دی گئی۔ مورچہ ٹوٹتا رہا، مجاہدین گرتے رہے اور پھر فوج اس قدیم بستی میں داخل ہو کر قتل و غارت گری میں مصروف ہو گئی۔

حاکم ضلع کی جانب سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ دوستوں کے اصرار پر مولانا روپوش ہوگئے اور تین سال کا عرصہ انہوں نے بوڑیہ گھنہلا، لاڈوہ، پنجلاسہ اور دوسرے گاؤں میں گزارے لیکن اس طرح چھپنے میں خطرہ تھا لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ حج کے بہانے یہاں سے نکل جائیں۔

یہ کام بھی آسان نہ تھا۔ انگریزوں کی عملداری ہر جگہ تھی۔ لہٰذا محفوظ راستے سے سفر کرنا ضروری سمجھا گیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنے استاد کے لڑکے مولانا یعقوب کے کے ہمراہ ۲۹ر نومبر ۱۸۶۰ء کو یعنی انقلاب کے تین سال بعد گھر سے نکلے اور سہارن پور، سرساوہ، جگادھری، دیتی ماڑکنڈ، اور رملانہ ہوتے ہوئے انبالہ پہنچے۔ وہاں سے سرہند ہوتے ہوئے لدھیانہ آئے اور پھر وہاں سے فیروزپور پہنچے۔ وہاں کشتیوں کا انتظام ہوا اور مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنے ساتھیوں کو لے کر دریائی سفر پر روانہ ہوئے۔ پاکپتن اور بہاولپور ہوتے ہوئے سکھر آئے۔ وہاں سے روہڑی اور سہون شریف ہوتے ہوتے بیکم فروری ۱۸۶۱ء کو کراچی کے گھاٹ گھوڑا باری پہنچے۔ گویا مولانا پنجاب اور سندھ ہوتے ہوئے دو مہینے میں نانوتہ سے کراچی آئے۔ پھر یہاں سے بحری جہاز کے ذریعہ حج کو روانہ ہوگئے۔

جب مولانا محمد قاسم نانوتوی ہندوستان واپس آئے تو اس وقت حالات بالکل بدل چکے تھے۔ پورے ملک پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ کے ساتھ ہی اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اس بڑی فتح کے بعد اب انگریز ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ نیا حاکم اپنی رعایا کو یورپ کے سانچے میں ڈھالنا ضروری سمجھتا تھا اور اس کا ایک ہی طریقہ تھا یعنی نئی تعلیم۔ چنانچہ ہندوستانی گورنر جنرل کونسل کے ایک ممبر لارڈ میکالے نے یہ نعرہ بلند کیا:۔

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے انگلستانی"۔

مولانا نے دیکھا کہ انگریز نئی تعلیم کے ذریعہ ہندوستانیوں کے دماغ کو بھی فتح کر رہا ہے۔ اب انگریزی کے آجانے کے بعد نہ صرف عربی اور فارسی کا اثر ختم ہوتا جا رہا ہے۔ بلکہ یورپ کی تہذیب بھی آہستہ آہستہ اپنا رنگ جما رہی ہے۔ ہمارا اپنا تمدن ختم ہو رہا ہے۔ ہمارا کلچر خاک میں مل رہا ہے۔ مولانا نے سوچا کہ یہ فتح انگریزوں کی بہت بڑی فتح ہوگی۔ اس طرح وہ ذہن کو بھی غلام بنا لے گا۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی آگے بڑھے اور لارڈ میکالے کے نعرے کے جواب میں یہ نعرہ بلند کیا:۔

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں لیکن دل و دماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں"۔

یہ اعلان کرنے کے بعد انہوں نے ایک ایسا دینی مدرسہ قائم کرنے کا منصوبہ بنایا جہاں مسلمانوں کے دل و دماغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے۔ دینی تعلیم کے ذریعہ ان میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ انہیں یہ بتایا جائے کہ انگریزوں کی تہذیب اور تعلیم ہمارے لیے بالکل مناسب نہیں۔ ہم اپنی تعلیم، اپنی تہذیب اور اپنے اصول پر عمل کریں گے۔

آخر کار وہ دن آ ہی گیا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کا منصوبہ عملی شکل اختیار کرے۔ ۳۰ر مئی ۱۸۶۷ء کو دیوبند کے "دارالعلوم" کا افتتاح ہوا۔ ملا محمود دیوبندی ایک شاگرد کو لے کر بیٹھ گئے۔ ارد گرد بیٹھے ہوئے تمام علماء نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ یہ دینی مدرسہ قوم، ملک اور مذہب کی حفاظت کا اہم مورچہ ہو۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کا قائم کیا ہوا یہ مدرسہ برصغیر میں اسلامی تہذیب، اسلامی تعلیم اور اسلامی نظریے کی پوری پوری حفاظت کرتا رہا۔ اس لیے انگریزوں کے لائے ہوئے طوفان کو پوری قوت سے روکا۔ اور قوم کو مسلمان بننے کا راستہ دکھایا۔

ثمرات الاوراق

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل مدظلہ

اسلاف کرام کی قوت حافظہ

علامہ ذہبی فقیہ یونینی کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں پہلے قرآن مجید یاد کیا پھر لکھنا سیکھا پھر حمیری کی الجمع بین الصحیحین یاد کی۔ پھر چار مہینہ میں صحیح مسلم برزبان کی اُن کے جلد یاد کر لینے کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے سورہ انعام صرف ایک دن میں یاد کی۔ اور مقامات حریری کی تین مقامات ایک دن کے صرف کچھ حصے میں یاد کر لئے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۲۴۴)

۲۔ ابوبکر بن انباری نحوی کے متعلق ان کے شاگرد ابوعلی قالی کا بیان ہے کہ انہیں تین لاکھ اشعار صرف ایسے یاد تھے، جو قرآن مجید کی شہادت میں پیش کئے جا سکتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۵۷)

۳۔ شیخ عثمان ابن داؤد ملتانی متوفی ۷۳۶ھ کے متعلق سیدالاولیاء کے حوالہ سے نزہۃ الخواطر میں ہے۔ انہیں فقہ میں ہدایہ اصول فقہ میں بزدوی اور قوت القلوب مکی اور احیاء العلوم غزالی سلوک و تصوف میں برزبان تھیں۔

۴۔ بابا داؤد کشمیری متوفی ۱۰۹۷ھ کو مشکوٰۃ برزبان یاد تھی۔ اسی نسبت سے مشکوٰتی مشہور ہوئے۔ (تذکرہ علماء ہند ص ۶۰)

۵۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو ایک مرتبہ قصیدہ سننے سے یاد ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ سفر کلکتہ میں شاہ صاحب نے قاموس کا ایک نسخہ دیکھا تھا۔ مدت کے بعد نابینا ہو جانے پر وہ دہلی فروخت کے واسطے دست بدست شاہ صاحب کے مدرسہ پہنچا۔ شاہ صاحب نے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ کہ یہ وہ نسخہ ہے۔ جس کو میں نے دیکھا ہے پھر فرمایا کہ دیکھو فلاں حاشیہ پر یہ عبارت تو نہیں لکھی ہے دیکھا گیا تو وہ تھی آخر کو معلوم ہوا کہ یہ وہی نسخہ ہے۔

(از سفرنامہ مولانا سید حکیم عبدالحی دہلی اور اسکے اطراف)

۶۔ حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب ساکن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ کے نواسہ اور شاگرد بھی تھے۔ آپ کو مثنوی مولانا روم ازبر یاد تھی۔ حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ان سے مثنوی کی تعلیم اور سند حاصل کی۔

مولانا عبدالرزاق کی آخری زمانہ میں بینائی جاتی رہی تھی۔ اور بڑھاپا طاری ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود افتاں و خیزاں خود ہی مسجد میں پہنچتے تھے۔ اور کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی ۱۲۹۲ھ میں کاندھلہ میں وفات پائی۔ (از حالات مشائخ کاندھلہ)

۷۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ محمد فرخ کو ستر ہزار احادیث سند کے ساتھ یاد تھیں۔

۸۔ عبداللہ بن مبارک کے والد نے کہا اگر تمہاری کتابیں میرے ہاتھ لگ گئیں تو میں جلا دوں گا۔ فرمایا کوئی مضائقہ نہیں یہ سب کتب میرے سینہ میں محفوظ ہیں۔

۹۔ قاضی ابومحمد اصبہانی کہتے ہیں۔ میں نے ۵ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

۱۰۔ ابوداؤد خفاف کا بیان ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے گیارہ ہزار احادیث اپنے حافظے سے لکھوائیں پھر ان کا کتاب سے مقابلہ کیا گیا۔ تو ایک شوشے کی بھی کمی و بیشی نہ تھی۔

۱۱۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا۔ اور دس سال کی عمر میں موطا امام مالک یاد کر لیا تھا۔

۱۲۔ مولانا عبدالملک عباسی گجرات کے باشندہ تھے۔ ایک واسطہ سے امام الحدیث حافظ محمد بن عبدالرحمان سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) کے شاگرد تھے۔ تقریباً ۹۷۰ھ میں وفات پائی۔ ان کو صحیح بخاری پوری زبانی یاد تھی۔ اور اس کے معانی و مطالب کے پورے حافظ تھے۔ اور اسی طرح زبانی صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے۔ (یاد ایام)

۱۳۔ مولانا حافظ محمد یوسف شاہ نواب ضابطہ خان کے ملازمین میں سے تھے۔ علم تفسیر میں خصوصی مہارت تھی۔ تمام تفسیر بیضاوی حفظ یاد تھی۔ صائم الدہر۔ قائم اللیل ولی کامل عارف ربانی بزرگ تھے
(از حالات مشائخ کاندھلہ)

۱۴۔ ایک اور بزرگ اور عالم تھے۔ جن کا نام فضل ملتانی تھا۔ ان کو جامع الصغیر حفظ یاد تھی۔

شیخ حمید الدین ناگوری خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ کو بیس ہزار احادیث یاد تھیں۔

شیخ عبدالملک عباسی احمد آباد کے مشہور عالم تھے۔ حدیث کی سند اپنے بھائی شیخ قطب الدین سے لی تھی۔ شیخ قطب الدین شیخ سخاوی مصری شاگرد تھے (عباسی صاحب کو بخاری ازبر تھی (گلزار ابرار ص ۳۱۱)

سلاطین کو خود مسائل کی کافی معلومات تھیں۔ محمد بن تغلق کے متعلق تو یہ کہا جاتا ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ تو ازک زبان پر تھی۔ دو صد فقہاء اس کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے۔ کہ اس کا حکم تھا۔ کہ ہر شخص نماز و شرائط اسلام سیکھے تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے۔ اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔ (از حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

امام ابوعیسیٰ ترمذی

امام ابوعیسیٰ ترمذی مصنف جامع ترمذی (جو صحاح ستہ میں شامل ہے) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں۔ نے دو جزء ایک شیخ کے روایت کردہ احادیث کے لکھے تھے۔ حسن اتفاق سے اسی عرصہ میں وہ خود شیخ مجھ کو مل گئے۔ میں نے ان سے اُن احادیث مذکورہ کی اجازت طلب کی اور انہوں نے میری استدعا قبول کی۔ اور ان احادیث کو سنانا شروع کر دیا۔ درخواست کرتے وقت مجھ کو خیال تھا کہ مذکورہ بالا دونوں جزء میرے پاس ہیں۔ تو بجائے ان کے دو سادے جزء میں نے غلطی سے اپنے پاس رکھ لئے تھے۔ مجھ سے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ وہی سادے جزء ہاتھ میں لے کر شیخ کی حدیثیں سننے لگا۔ سوئے اتفاق سے شیخ کی نظر ان اوراق پر پڑ گئی تو بگڑ کر مجھ سے کہا۔ کہ تم کو شرم نہیں آتی۔ میں نے اصلی ماجرا بیان کیا۔ اور کہا کہ جو احادیث آپ سناتے ہیں۔ مجھ کو یاد ہو جاتی ہے۔ شیخ کو میرے قول کا اعتبار نہ آیا۔ اور فرمایا سناؤ۔ میں نے سنی ہوئی حدیثیں لفظ بہ لفظ سنا دیں اور ان کا شبہ اب بھی نہ گیا اور کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حدیثیں میرے سنانے سے پہلے تم کو یاد تھیں۔ میں نے گزارش کی۔ آپ اور نئی حدیثیں بطور امتحان روائیت فرمایئے۔ چنانچہ چالیس انہوں نے نئی سنائیں۔ ان کو بھی میں نے فوراً دہرا دیا۔ اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔ سبحان اللہ۔

داؤد بن سمعہ نے ایک بار کہا کہ لوگ حفظ کے بارے میں ابوحاتم رازی اور ابوذرعہ کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ میں نے واللہ قرطبہ سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے اپنی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کتابوں میں سے جس کو چاہو اٹھا لو۔ میں حفظ سنا دوں گا۔ امتحاناً میں نے ایک کتاب اٹھا کر کہا۔ کتاب الاشربہ میں نے اتنی تحریک کی تھی۔ کہ ان کی قوت حافظہ کا چشمہ رواں ہو گیا۔ اور ساری کتاب سنا ڈالی۔

(تذکرہ الحفاظ جلد دوم ص ۳۰۹)

امام دارقطنی کا عجیب حافظہ

امام دارقطنی ایک مرتبہ ابتدائے سن میں اسمٰعیل صفار کی مجلس املا میں حاضر تھے۔ شیخ تو املا میں مصروف تھے اور یہ ایک کتاب کی نقل کرتے جاتے تھے۔ ایک شخص ان کی یہ بے توجہی دیکھ کر جھنجھلایا اور کہا کہ تم نقل کتاب میں مصروف ہو پھر تمہارا سماع کس طرح قابل وثوق ہو سکتا ہے۔ دارقطنی نے یہ اعتراض سُن کر کہا کہ سماع سماع میں فرق ہوتا ہے تم تو ہمہ تن متوجہ ہو کر سن رہے ہو، بتلاؤ تو شیخ نے اب تک کتنی حدیثیں روایت کی ہیں۔ معترض کو مجموعی تعداد کا خیال نہ تھا۔ لہٰذا اس کا جواب نہ دے سکا۔ دارقطنی نے کہا کہ اٹھارہ حدیثیں اس وقت تک املا ہوئی ہیں۔ پہلی کا یہ متن ہے یہ اسناد۔ دوسری کا یہ متن ہے یہ اسناد۔ غرض اسی طرح وہ ساری حدیثیں سنا دیں۔ حاضرین ان کا ضبط دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

قرامان واقع ملک روم میں جو مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بانی کی طرف سے یہ شرط تھی۔ کہ اس مدرسہ کا مدرس وہ عالم مقرر کیا جائے۔ جس کو جوہری کی صحاح (لغت میں) یاد ہو، چنانچہ مولانا جمال الدین صاحب اس شرط پر پورے اترے اور اسی مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے کام شروع فرمایا۔

باخدا قاضی اور اندلسی خلیفہ

اندلس کا مشہور اموی خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے زہرا نامی ایک شہر تعمیر کیا۔ اور اس میں شاندار محلات تعمیر کرائے۔ وہ دن رات اس کی زینت

اور آرائش میں مگن رہتا تھا۔ خود بہ نفسِ نفیس اس میں حصہ لیتا تھا اس کا انہماک یہاں تک بڑھا کہ ایک دن نماز جمعہ سے بھی رہ گیا۔ اس زمانے میں منذر بن سعید جامع مسجد کے خطیب اور شرعی عدالت کے قاضی تھے۔ انہوں نے سوچا کہ خلیفہ الزہرا کی تعمیر و آرائش میں حد سے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ فضول خرچی کی انتہا ہو گئی ہے اگر اس کو برسرِ منبر نہ ٹوکا گیا۔ تو یہ خدا کے ہاں فرض کی ادائیگی میں بہت بڑی کوتاہی ہوگی۔ جمعہ کا دن آیا وہ منبر پر تشریف لائے۔ خلیفہ ناصر بھی موجود تھے۔ پوری مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے خطبے کا آغاز اس آیت کو پڑھتے ہوئے کیا:۔

اتبنون بکل ریع ایۃ تعبثون۔ الیٰ یوم عظیم (سورۃ شعراء آیت ۱۳۰ تا ۱۳۵)

ترجمہ کیا تم بناتے ہو ہر بلند مقام (یادگار کے طور پر) عبث (بلا ضرورت) اور بناتے ہو بڑے محل شاید تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی پر دار و گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر بن کر دار و گیر کرتے ہو۔ سو تم (کو چاہیئے کہ) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو (یعنی) مویشی۔ بیٹوں باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی۔ مجھ کو تمہارے حق میں (اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے) ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے اس کے بعد قاضی موصوف نے سورۃ نساء کی یہ آیت تلاوت کی۔

قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقیٰ۔ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔ اور آخرت اس کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔

ان آیات کی تشریح کے بعد پورے زور دار انداز میں انہوں نے اس فضول خرچی پر سرزنش کی اور پھر یہ آیت پڑھی۔

افمن اسس بنیانہ علیٰ تقویٰ من اللہ و رضوان خیرٌ ام من اسس بنیانہ علیٰ شفا جرف ھار فانھار بہ فی نار جہنم واللہ لایھدی القوم الظالمین (التوبۃ) پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عبادت (مسجد) کی بنیاد خدا سے ڈرنے اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو۔ یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (غار) کے کنارے پر جو گرنے ہی کو ہو۔ رکھی ہو۔ پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ ہی نہیں دیتا۔ یہ پورا خطبہ اسی موضوع پر جاری رہا۔ سننے والے انتہائی متاثر ہوئے۔ خود خلیفہ ناصر سمجھ گیا کہ اس خطبے کا مخاطب خود اس کی ذات ہے۔ اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اور وہ اپنی کوتاہیوں پر بہت نادم ہوا۔ خلیفہ ناصر اس بات کو نہ برداشت کر سکا کہ اعلانیہ طور پر پوری شدت کے ساتھ اس کا محاسبہ ہو اور برسرِ منبر اس کی غلطیوں پر ٹوکا جائے۔ اس موقع پر اس نے اپنے بیٹے حکم سے شکوے کے طور پر کہا خدا کی قسم منذر کے خطبے کا رخ میری ہی طرف تھا۔ اس نے مجھ پر بڑی زیادتی کی۔ اور تنقید اور احتساب میں حد سے بڑھ گیا۔ خطبے کے کلمات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے کہا بخدا میں اس کے پیچھے جمعہ کی نماز نہ ادا کروں گا۔ اس کے بعد اس نے دوسری مسجد جامع قرطبہ میں جمعہ کی نماز ادا کرنی شروع کر دی۔ یہ تھی خلیفہ ناصر کی طرف سے منذر بن سعید کی سزا کہ صرف اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا۔

خلیفہ ناصر کے بیٹے حکم نے یہ دیکھا کہ اس کے والد کو الزہرا کیساتھ گہرا قلبی لگاؤ ہے۔ اور ساتھ ہی وہ الزہرا کی وسیع ترین مسجد میں نماز پڑھنے کو اہمیت دیتا ہے۔ تو اس نے کہا ابا جان! آخر وہ کون سی رکاوٹ ہے۔ جس کی بنا پر منذر بن سعید کو ان کے منصب سے ہٹا نہیں دیتے۔ آپ ان کو ناپسند بھی کرتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتے۔ لیکن ان کو امامت کے منصب پر برقرار رکھا ہوا ہے۔ آخر یہ کیوں خلیفہ الناصر نے ڈانٹتے ہوئے کہا کیا منذر بن سعید جیسا آدمی جو اپنے علم و فضل میں یکتا ہے۔ معزول کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ صرف اس لئے کہ اس نفس کو خوش کیا جائے۔ جو صراطِ مستقیم سے ہٹ گیا ہے۔ یہ ممکن نہیں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے۔ کہ میں اپنے اور اس کے درمیان منذر بن سعید جیسے زاہد و متقی آدمی کو شفیع اور سفارشی نہ بناؤں منذر بن سعید نے تو اس طرح میرے غصے کو بھڑکا دیا کہ میں قسم کھا بیٹھا۔ اب میری دلی تمنا ہے کہ کوئی مجھے ایسی راہ مل جائے کہ میں اپنی قسم کا کفارہ ادا کر سکوں۔ پھر اس نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا منذر بن سعید اپنے آخری سانس اور میرے آخری سانس تک جمعہ پڑھاتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا بدل ملنا ناممکن ہے۔

(مجلۃ الازہر رمضان و اخلاقنا الاجتماعیہ لسباعی)

شیخ عبدالقادر جیلانی کی دینی حمیت

خلیفہ عباسی المقتفی لامر اللہ نے یحییٰ بن سعید جیسے ظالم کو قاضی بنا دیا۔ اس پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی حمیت بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تم نے انتہائی ظالم و جابر مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ کل خدا کے ہاں کیا جواب دو گے۔ خلیفہ اس پر کانپ اٹھا۔ اس نے فوراً اس ظالم حاکم کو معزول کر دیا۔

(قلائد الجواہر)

قابلِ رشک خواتین

از، صالح محمد حضروی

تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار واقعات پیش آئے ہیں جنھوں نے آن واحد میں لوگوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے اور زندگی میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ ایسے واقعات پر عربی اور اردو میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن کے پڑھنے سے دل پر بڑا اثر پڑھتا ہے۔ جیسے علامہ ابن جوزی کی "صفت الصفوۃ" وغیرہ کتابوں میں عابد و زاہد خواتین کے بے شمار حالات ہیں۔ جن کے مطالعہ سے آخرت کا خیال جنت سے محبت اور دوزخ سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ آج کی صحبت میں ایسے ہی چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو مجدد ہزارہ اول کہا جاتا ہے۔ اگرچہ آپ نے بہت تھوڑی مدت تک حکومت کی۔ لیکن آپ کا دور حکومت خلافت راشدہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ آپ نے ملکی اصلاحات اپنی اور اپنے اہل خانہ کی زندگی کے ڈھانچہ کو یک سر بدل ڈالا۔ محدود وظیفہ کے سوا بیت المال سے اپنے لئے ایک پیسہ بھی لینا حرام سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے گزر اوقات بڑی تنگی سے ہوتی تھی ایک مرتبہ آپ اپنے حرم سرا میں داخل ہوئے۔ تو خلاف معمول ان کی صاحبزادیوں نے اپنے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ آپ کو بڑا تعجب ہوا، اور اس کی وجہ دریافت کی۔ تو معلوم ہوا کہ آج گھر میں بھوک کی آگ بجھانے کے لیے لسن اور مسور کی دال کے سوا کوئی چیز نہیں تھی۔ اس لیے انھوں نے یہی کھالیا، اور منہ پر ہاتھ اس لیے رکھ لیا ہے تاکہ اس کی بدبو سے آپ کو اذیت نہ پہنچے۔ یہ سن کر امیرالمومنین نے فرمایا، کہ اے میری بیٹیو! کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ میں آج تمھارے لیے انواع و اقسام کے کھانے مہیا کردوں اور اس کے بدلے میں تمھارے باپ کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے یہ سن کر خوف خدا سے سب رونے لگیں۔ یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔

یہ تھا شہزادیوں کے خوفِ خدا اور فقر پسندی کا نمونہ۔

حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی شادی ایک رئیس گھرانے میں ہوئی تھی۔ آپ کی اہلیہ جب رخصت ہو کر سسرال آئیں تو اپنے ہمراہ متعدد بیش بہا جوڑے، طلائی زیورات اور قیمتی برتن وغیرہ غرضیکہ ہزاروں کا سامان لائیں۔ حضرت مولانا جب ان کے پاس گئے تو کہا، "دیکھو اب میرا اور تمھارا زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ میں ایک مفلس آدمی ہوں، اور تم رئیس زادی ہو، یہ دورنگی ٹھیک نہیں یا تو میں تم جیسا مالدار ہو جاؤں، یا تم مجھ جیسی مفلس ہو جاؤ۔ لیکن چونکہ میرا مالدار ہونا میرے اختیار میں نہیں ہے اور تم اگر چاہو تو ابھی میری طرح مفلس ہو سکتی ہو۔"

نئی نویلی دلھن بھلا ان باتوں کا کیا جواب دے سکتی تھی، شرم کی وجہ سے منہ سے ایک بول بھی نہ نکل سکا۔ لیکن جب مولانا کا اصرار ہوا تو مجبوراً اپنے لب کھولنے پڑے کہ "آپ کو پورا اختیار ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے" حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے صبح کو سارے کپڑے اور زیورات اور جہیز کا کل سامان ترکی کی جنگ میں دے دیا۔ ذرا چشم تصور سے دیکھئے بھلا کیا ایک نوجوان عورت کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی قربانی ہو سکتی ہے؟ شوہر کے اشارے پر جو اپنے شوق و جذبات کو فنا کر دے اور زینت و آسائش کے سارے سامان سے دست کش ہو جائے۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ جب ان کے والد نے پھر اسی طرح رخصت کیا۔ تو مولانا کے کہنے پر پھر اس وفاشعار اور اطاعت گزار بیوی نے سارا سامان خدا کی راہ میں دے دیا۔

ابو رواد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عبادت گزار خاتون تھیں جو دن میں بارہ ہزار تسبیحات کا ورد کرتی تھیں جب ان کا انتقال ہوا اور لوگوں نے ان کو قبر میں اتارنا چاہا تو وہ خود بخود لوگوں کے ہاتھوں سے

ایک سفر ایک داستان

مدینہ کی فضاؤں میں

سید محمد طیب ہمدانی

لیجیے ادھر ابراہیم خاک کی گود میں آسودۂ خواب ہیں۔ چشم تصور نے ہزار سو سال پلٹ کر مفخر موجودات کی گود میں لیٹا پایا۔ ابراہیم آخری لمبے لمبے سانس لے رہے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے قطرات آب مروارید ناسفتہ کی طرح لڑھک رہے ہیں، اور فرماتے ہیں:

یا ابراھیم انا بفراقک لمحزونون العین قد معٖ والقلب یحزن وما نقول الا ما یرضی ربنا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

انہی ابراہیم کے وصال پر ختم نبوت کا اعلان ہوا۔ ان کا وصال دلیل ختم نبوت بن گیا۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین۔

یہ عبداللہ بن مسعود ہیں جو دربار فاروقی کے نوجوان مفتی وفقیہ تھے۔ ادھر فاتح شام سعد بن ابی وقاص ہیں جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیال میں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ فرمایا یہ میرا ماموں ہے۔ کوئی ماموں کو لا دکھائے؟ اور پھر جب ترکش سے تیر انتخاب کرکے دیتے ہیں تو فرماتے ہیں: یاسعد فداك ابی وامی۔ آئیے آپ بھی ان پر قربان ہو کر جائیے۔ یہاں ایک اور عظیم القدر سعد بھی آرام فرما رہے ہیں جنھیں ابن معاذ کہا جاتا ہے جن کی موت کی خبریں پانے والے نے خود اطلاع دی۔

اھتز عرش الرحمن علی موت سعد بن معاذ

ادھر ایک مٹی کے ڈھیر میں عثمان بن مظعون سو رہے ہیں۔ جن کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشانی پر محبت سے بوسہ دیا۔ ادھر ابن عم رسول سفیان بن حارث آرام فرما رہے ہیں۔ چچا زاد ہونے سے زیادہ انھیں اور کون سا شرف مطلوب ہے۔

یہ امام دار الہجرۃ مالک بن انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جنھوں نے برسوں مسجد نبوی میں کلام نبوی سے امت کو سب سے زیادہ روشناس کرایا اور آداب نبوی کی عملی تفسیر اس طرح پیش کی کہ بچھو کے بار بار کاٹنے کے باوجود نہ تو پہلو بدلا اور نہ ہی ذکر رسول میں وقفہ پیدا ہونے دیا۔

ایک ساتھی نے بتایا یہ حلیمہ سعدیہ کی مرقد انور ہے۔ کون حلیمہ جو کبھی بچے کے حصول کے لیے مکہ آئی ہے۔ بالآخر جسے یتیمی کے باعث کسی نے قبول نہ کیا۔ اس در یتیم کو اپنی گود میں لے لیتی ہے اور جو سب سے پیچھے پہنچی تھی جب براق کے شہسوار کو لے کر واپس لوٹتی ہے۔ تو اس کی سواری میں بھی برق رفتاریاں پیدا ہو جاتی ہیں بکریوں کا ریوڑ شام کو بنی سعد کے خیموں میں واپس آتا ہے۔ تو قحط سالی کے باوجود حلیمہ کی بکریاں دودھ سے لدی پھندی آتی ہیں۔ دوسرے لوگ چرواہوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ وہاں چراؤ جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ لیکن وہ بات کہاں؟ سوچیے تو کتنی خلاف واقعہ بات ہے۔ فلاں نے دودھ پلایا فلاں نے پالا پوسا۔ حضور صلعم مسجد نبوی میں آرام فرما ہیں۔ ایک بڑھیا شاہ دوسرا کی بارگاہ میں آ رہی ہے۔ آپ آگے بڑھتے ہیں۔ بڑھیا دعائیں دے رہی ہے۔ آپ احتراماً اپنی چادر بچھا کر بٹھاتے ہیں۔ صحابہ حیران ہیں۔ ماجرا کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعارف کرواتے ہیں۔ یہ میری رضاعی اماں ہے۔ آج بنو سعد کے کسی فرد تک کا نام باقی نہیں لیکن خوش قسمت ہو تم حلیمہ جس در یتیم کو گود میں لے کر تاریخ کے صفحات میں دوام حاصل کر لیا۔ آج ساری امت کی گردنیں تیرے بار احسان سے جھکی ہوئی ہیں۔

مٹی کے ہر تودے پر ٹھہرا معلومات حاصل کیں زمانہ نبوت کے لیل و نہار کا دفتر کھلا پڑا تھا۔ آخر سب سے آخر میں امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان کی ضریح اقدس پہ حاضری دی۔ وہی عثمان کہ جب ان کی دوسری منکوحہ جگر گوشہ رسول کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کاش میری اور بیٹیاں ہوتیں اور میں یکے بعد دیگرے دیتا چلا جاتا۔ ہاں یہ وہی ہیں جنھوں نے بیر رومہ وقف کرکے جنت کا سرٹیفیکیٹ حاصل کر لیا۔ مسجد نبوی میں بیٹھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیش کردہ اشرفیوں کو اچھال رہے ہیں اور فرماتے ہیں آج کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہ دے گا۔ نگاہوں میں وہ پرہول منظر پھر گیا کہ ناشر قرآن عثمان جس نے افریقہ تک کے ممالک اسلام کے زیر نگین کر دیے۔ وہی عثمان ناکردہ گناہ، باغیوں کے ہجوم اور گھیراؤ میں ہے رسد اور پانی بند ہو چکا ہے۔ شیر خدا مصر ہیں۔

اجازت ہو تو قلع قمع کر دیا جائے لیکن انتہائے بے رحمدلی ہے کہ کسی کے خون سے ہاتھ رنگنے کی اجازت نہیں دے رہے۔ مجبور ہو کر شبیر خدا نے ہر دو گوشہ جگر کو ان کی دربانی پر مقرر کر دیا۔ باغی ادھر سے حملہ کی جرات نہ پاکر پچھواڑہ سے حملہ آور ہوئے۔ اور بھوکے پیاسے امیر المومنین کو تلاوت قرآن کی حالت میں خون سے نہلادیا۔ نعش کی بے حرمتی کی، پسلیاں تک توڑ ڈالیں امام مظلوم! چودہ سو سال سے تم پر تا حال ظلم ہو رہا ہے۔ تم تو حسین الشہید سے بھی زیادہ مظلوم ٹھہرے۔ اس پر تو ظلم کی میعاد صرف چند روز تھی۔ لیکن تم پر تو بعض بدبخت صدیاں گذرنے کے بعد بھی ظلم سے باز نہیں آرہے اور تحقیق تاریخ کے نام سے آج بھی تمھیں تختۂ مشقِ ستم بنایا جارہا ہے۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا بعدی فمن احبہم فبحبی احبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم۔

یہ جنت البقیع کی سرزمین وہی ہے جہاں کے باسیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفاعت وحمایت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ جنھیں آپ نے جنت کی ضمانت دی ہے۔ رات کو اٹھ اٹھ کر آپ ان کو ملنے گئے۔ اور ان کے لیے دعا مغفرت فرمائی۔

اس کا ذرہ ذرہ آفتاب و ماہتاب سے زیادہ گران قدر ہے۔ لیکن موجودہ حکومت کی اس سے لاپرواہی افسوسناک ہے۔ قبور پر مٹی ڈال کر علی الطریق سنت مسنما بنا دیا جائے اور ان پر کتبے لگا کر صاحب قبر کا نام کندہ کر دیا جائے تو اس میں کون سا امر شرعی مانع ہوگا۔ اس کا جواز سنت نبویہ میں موجود ہے کہ ایک صحابی کی تدفین کے بعد آپ نے ایک پتھر بطور علامت اس کی قبر پر رکھ دیا تھا تاکہ بوقت ضرورت اس کا تعین و تشخص ہو سکے۔ کاش حکومت سعودیہ اپنی دوسری اصطلاحات میں اسے بھی شامل کرلے تو اس کے لیے باعث اجر ہو۔

انہی خیالات میں گم ان سب کو عاجزانہ سلام کہتے ہوئے واپسی ہوئی زہے نصیب جنھیں اس تربت میں سمانا اور حضور شافع النشور کی معیت میں جنت بسانا نصیب ہوا۔

اللھم صل وسلم وبارک وعلی سید المرسلین وآلہ وصحبہ وتابعیہ اجمعین الی یوم الدین

مسجد نبوی کے قریب ہی امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا مکان ہے۔ حکومت ترکیہ کے زمانہ میں اسے سیاہ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ جس میں ترکی شیخ الاسلام عارف حکمت مرحوم نے کتب خانہ قائم کیا ہوا ہے۔ جس کے ناظم ترکی النسل ضعیف العمر بزرگ ہیں۔

کتب خانہ میں بیش قیمت مخطوطات کا ذخیرہ ہے۔ ناظم مذکور انتہائی خوش خلق ہے۔ بعض آثار کے متعلق اس سے گفتگو ہوئی، اور ان کی تحقیقات سے استفادہ کیا۔ پاکستان کے جنگی قیدیوں کے لیے بڑے متفکر تھے۔ ان کی رہائی کے لیے دعا بھی کی۔ انہی کی نشاندہی پر ساتھ کے کوچہ میں جا کر ایک مکان میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی کمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو عطیہ تھا، کی زیارت کی۔ اس کے ساتھ ایک قدیم نسخہ قرآن مجید پڑا تھا جس کی نسبت معلوم نہ ہو سکی۔

ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کا ہوڑہ بتلایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

مسجد نبوی کے باب مجیدی کے بالمقابل کتب خانہ سے چند کتابوں کی تلاش میں گیا۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ صاحب کتب خانہ مدینہ منورہ کے حنفی بہت بڑے عالم ہیں۔ سید عبد اللہ ہاشم یمانی نام ہے۔ بہت سی کتابوں کے محشی اور شارح ہیں۔ لیکن ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ تا حال یہ لوگ عرب کو عرب اور عجم کو کسی صورت میں عرب کے ہم پلہ شمار کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن مسئلہ شد رحال میں ان کے دلائل ایسے بے سرو پا اور کمزور و بودے تھے کہ ابن تیمیہ و ابن قیم کا مسلک مدلل معلوم ہوتا تھا بالآخر جب میں نے اپنے شیوخ کے دلائل عرض کیے تو حیران رہ گئے پہلے تو وہ ایک طالب علم تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن اب بڑے بڑے القاب دینے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد بارہا ان سے ملنے کا موقعہ ملا اور وہ مدینہ منورہ کا خاصہ ہے انتہائی محبت و احترام سے پیش آتے رہے۔

مدینہ منورہ میں اب نئی اور بلند و بالا عمارتوں، کولتار کی فراخ سڑکوں سامان سے لدے پھندے بازاروں کی کوئی کمی نہیں تاہم بہت سے کوچہ و بازار قدیم ابھی تک موجود ہیں۔ شہر کے اندر بھی مساجد کی کمی نہیں، ہر مسجد سے کوئی نہ کوئی واقعہ منسوب ہے اور تمام مساجد ترکی حکومت کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ جیسے جیسے موقعہ ملتا رہا ان مساجد میں نوافل ادا کرتا رہا، لیکن فرائض کا اہتمام مسجد نبوی میں باجماعت کیا جاتا رہا اور یہی مناسب ہے اور افضل و اعلیٰ ہے۔ ایک دن مسجد عمرؓ، اور مسجد غمامہ کی زیارت کے بعد پیدل مسجد قبا کو روانگی ہوئی۔ راستہ میں سڑک کے قریب دو پہاڑیاں شکستہ سی نظر آئیں ساتھیوں سمیت رک گیا۔ واقف کار ساتھی ان پہاڑیوں کا عقدہ حل نہ کر سکے۔ اور طبیعت بے قرار ہو رہی ہے۔ کوئی ہو کہ قبا کے راستہ میں واقع پہاڑیوں سے متعارف کرائے آخر ایک مقامی عرب کا گذر ہوا اس سے پوچھا کیا یہ ثنیۃ الوداع نہیں۔ اس نے تصویب کی تو دل مچل گیا دل چاہتا تھا کہ ان پتھروں کو آنکھوں پر لگاؤں جنھوں نے سب سے پہلے سرور دو جہاں کے رستہ میں اپنی آنکھیں بچھا

دی تھیں۔ قبا سے چل کر ناقہ محبوب یثرب کو چلی جا رہی ہے۔ ان دو پہاڑیوں کے درمیان سے پگڈنڈی یثرب کو جاتی ہے یہیں سے گذر کر یثرب کے در و دیوار کو منور کرنے والا اور یثرب کو مدینہ طیبہ بنانے والا آ رہا ہے۔ ہر گلی کوچہ میں عشاق روک رہے ہیں۔ حضور یہ میرا غریب خانہ ہے۔ اسے اپنے جمال جہاں آرا سے منور فرمائیے، مجھے شرف خدمت بخشیئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ

"اس اونٹنی کو چھوڑ دو بے شک یہ حکم کی گئی ہے"

یعنی یہ امر الٰہی کی پابند ہے۔ بچے بچیاں خوشی سے اچھل کود رہی ہیں اور اپنی پیاری پیاری آواز سے تمام گنگناتے ہیں

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع ۔

ایہا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

نحن جوار من بنی النجار یا حبذا محمدا من جار

"چودھویں کا چاند ثنیۃ الوداع کی پہاڑیوں سے طلوع ہوا۔ جب تک کوئی دعا کرنے والا موجود ہے ہم پر شکر خدا لازم ہے۔ اے آنے والے فرماں برداری والا حکم تو لے کر آیا ہے ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ واہ واہ کیسا اچھا پڑوسی محمد ہمیں مل گیا۔"

ساتھیوں نے متنبہ کیا کہاں گم ہو گئے ہو، ابھی بہت سفر ہے اچھا بھئی چلو۔ رستہ میں مسجد بنی النجار سے مسجد جمعہ کی زیارت کرتے ہوئے قبا میں پہنچ گئے۔ یہی وہ مسجد ہے جسے دنیا میں سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں تعمیر کا شرف میسر آیا۔ موجودہ عمارت سلطان محمود خاں ترکی نے ۱۲۴۵ھ میں تعمیر کروائی ہے۔ سارا فرش اور دروازے سنگ مرمر کے ہیں۔ جس مقام پر نزول آیت

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

نازل ہوئی اس جگہ پر صحن مسجد میں محراب تعمیر کر دیا گیا ہے یہیں دو رکعت نفل ادا کیے محراب مسجد پر حدیث کندہ ہے؛

من تطہر فی بیتہ ثم اتی مسجد قباء فصلی فیہ رکعتین کان کاجر عمرۃ۔

"جو گھر سے وضو کر کے مسجد قبا پہنچے اور دو نفل ادا کرے اسے عمرہ کرنے کا ثواب ملتا ہے"

بحمد اللہ کہ اس پر بھی عمل ہو گیا۔ مسجد قبا کے پاس ہی بئر اریس ہے یہ وہ تاریخی کنواں ہے جس کے کنارہ تشریف فرما ہو کر آپ نے سیدنا ابوبکر، و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو بذریعہ ابو موسیٰ اشعری جنت کی خوشخبری عطا فرمائی اور اسی کے کنارہ پر بیٹھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری کنوئیں میں گر گئی جو تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی، جس کے بعد آپ کے خلاف شورش و بغاوت ہوئی جو ذو النورین کی شہادت پر منتج ہوئی۔ گویا انگشتری گم نہ ہوئی، بلکہ دور خلافت و اطاعت ہی ختم ہو گیا۔

مسجد کے قریب ہی قبلہ جانب وہ کچا مکان ہے جسے مدینہ روانگی سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف ملا۔ قبا سے پار مسجد عریش، مسجد شمس اور پھر عوامی مدینہ شروع ہو جاتی ہے۔ جہاں کبھی مہاجرین صحابہ کی کھیتوں میں قیام گاہیں تھیں اور آگے باغ سلمان رضی اللہ عنہ ہے۔ جسے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی آزادی کی خاطر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا تھا اور وہ کھجوروں کا باغ اسی سال بار آور ہو گیا تھا۔ یہیں قریب ہی مسجد بنی قریظہ ہے جس کے محراب میں ایک پتھر نصب ہے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا نشان بتلایا جاتا ہے جس کی سند کسی روایت میں نہ مل سکی۔ واپسی پر اس قطعہ ارضی سے بھی گذرے جہاں سے خاک شفا حاصل کی جاتی ہے۔ وہاں سے کھود کر تبرکاً ہم نے بھی خاک لے لی اور واپسی پر پانی ملا کر ایک زخمی ساتھی کی ٹانگ پر لیپ کر دیا جو چلنے پھرنے سے عاجز تھا لیکن بفضلہ تعالیٰ وہ اسی روز مسجد نبوی میں آنے جانے لگ گیا۔ راستہ میں کھیتوں کے اندر اس مکان سے بھی گذر ہوا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے اور ان کی دایہ انہیں پرورش کرتی رہی۔ بحمد اللہ یہ سارا سفر پیدل کیا اور نماز ظہر تک واپسی ہو گئی۔ گو تارکی سڑکوں اور بازاروں کا معاملہ اور ہے۔ لیکن اس سرزمین میں جہاں ظن غالب ہے کہ کبھی اس کے ذروں نے امام الانبیاء کے قدموں کو بوسہ دیا ہو گا۔ سواری پہ طے کرنے یا جوتوں سمیت پھرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کاش جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پڑتے تھے وہاں سر اور آنکھوں کے بل چلنا ممکن ہوتا پھر بھی اس مقام کے ادب و احترام کا حق ادا نہ ہوتا۔ ۲۹ جنوری ۱۹۷۳ء کو ریاض جنت میں بیٹھا ہوں لیکن یہ تصور دل و دماغ کو ماؤف کرنے کے لیے کافی ہے کہ آخری دن ہے اور آج کی رات یہاں کی آخری رات ہے۔ بے بسی میں کیا کیا جائے۔ تو کیا گرچہ یقین و ایمان ہے کہ ہر ایک چیز کا ایک وقت معین ہے۔ لیکن اس کے باوجود دل تھمائے نہیں تھمتا۔ علامہ بوصیری نے کیا خوب نقشہ کیفیت بیان کیا ہے

فما لعینیک ان قلت اکففا ہمتا

وما لقلبک ان قلت استفق یہم

ترجمہ: جتنا تیری آنکھوں کو روکا جاتا ہے اتنا وہ بہتی ہیں اور

جتنا دل کو تھمنے کو کہا جاتا ہے اتنا زیادہ دھڑکتا ہے۔

نماز عشاء کے بعد کافی دیر تک مسجد نبوی میں ٹھہرنے کے بعد سلام کے لیے حاضری دی اور بادلِ نخواستہ قیام گاہ کو آ گئے۔ لیکن آج کی رات نیند کہاں۔ وہی بستر جس پہ آرام و سکون حاصل ہوتا تھا، کاٹنے کو دوڑ رہا ہے۔ پریشانی کی گھڑیاں بھی طویل ہو جاتی ہیں۔ تصورِ فراق میں کسی کروٹ بھی آرام و چین نہیں آ رہا۔ آخر نہ رہا، اُٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے اور طیبہ کی خنک رات بھی آج اس کا مداوا نہیں بن رہی۔ بے سوچے دیوانہ وار بابِ جبریل پہ پہنچ گیا۔ اِدھر دروازہ وا ہُوا، اُدھر مؤذن نے اذانِ تہجد کہہ دی۔ اُدھر عشاق ہیں کہ پروانہ وار جمع ہو رہے ہیں۔ دوسرے صحن میں مصلے بچھے ہیں جگہ ملی۔ یہ تصور سوہانِ روح بن رہا ہے کہ یہ نماز مسجد نبوی کی آخری نماز ہے۔ دل و دماغ میں ایک طوفان رونما ہو رہا ہے۔ آخر صبح کی نماز ہوئی۔ صفوں کے درمیان کبوتر بے کھٹک اتر کر دانہ چگ رہے ہیں۔ تم کتنے پیارے اور کتنے خوش نصیب ہو جنھیں ہر وقت جوارِ رحمت عالم نصیب ہے، اور ہم ہیں کہ معذور ہیں اور مجبور و بے بس، اور تمھارے لیے قیام و طعام کی کوئی قید نہیں، اور ہم ہیں کہ قیام کا وقت ختم ہوا اور چند گھنٹے بھی مزید گزار نہیں سکتے۔ تمھاری قسمت پر رشک آتا ہے۔ کاش میں تمھاری طرح ایک پرندہ ہوتا، جسے یہاں سے گرفتار کرنا، لے جانا اور پکڑنا ممنوع ہوتا اور مجھے بھی اسی ارضِ پاک میں زندگی کے لیل و نہار بسر کرنے نصیب ہوتے اور پھر اسی مٹی کے ذرات میں پس مرگ گم ہو جانا ارزانی ہوتا۔

لیکن یہ سرزمین ہے۔ یہاں گناہوں میں آلودہ انسان کے لیے جگہ ہو تو کیسے؟ انہی خیالات میں گم جب آخری سلام کے لیے حاضری دی تو ہوش و حواس گم تھے۔ نہ معلوم کیا کچھ عرض کیا اور کیا کچھ درخواست گزاری۔ فراق کے تصور سے دل و دماغ میں ایک طوفان بپا ہے اور آنکھیں اشکبار۔ بار بار ایک ہی عرضداشت زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ حضور صلی اللہ! یہ آخری حاضری نہ ہو۔ آپ کی کرم فرمائی سے یہ بعید نہیں کہ بار بار اس ذلیل و خوار کو بلا لیں۔ بعد ازاں صاحبین کی خدمت میں سلام عرض کر کے جو لوٹا تو دیدہ گریاں و سینہ بریاں کی کیفیت ناقابلِ حد تک پہنچ چکی تھی۔ آج تک اس شدتِ فراق سے کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ گرچہ اس مختصر سی زندگی میں اپنے والد ماجد جو کہ میرے دینی و دنیاوی رہنما تھے سے بھی جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑا اور یکے بعد دیگرے اپنے تین جگر گوشوں کو منوں مٹی تلے اپنے ہاتھوں سے دبا چکا ہوں۔

فللّٰہ الحمد اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً علی کل حال

و فی کل حین۔

قیام گاہ پہ واپس آ کر سامان اٹھا کر گاڑیوں میں لدوایا، اور مدینۃ الحجاج پہنچ گئے۔ سارا دن ساتھیوں کو اکٹھا کرنے کی انتظار میں اسی پہاڑیوں میں گھرے ہوئے موٹروں کے اڈہ پہ رکنا پڑا۔ سوائے نماز کے دوسرے اوقات میں اس جنگل اور پہاڑیوں سے ہی ہمکلام رہا، اور بان و علم کے پودوں سے محو گفتگو، جب بھی نگاہ اٹھی سامنے گنبد خضرا اپنی پوری آب و تاب سے سب سے زیادہ بلند و بالا نظر آتا لیکن آنکھوں میں آنسوؤں کی چادر حائل ہو جاتی، اور یہ منظر دھندلا جاتا۔ نمازِ شام کے بعد روانگی ہوئی اور وہ بھی مدینہ منورہ کے ایک بیرونی بازار سے ہو کر گذر ہوا۔ لیکن اتنے مجبور ہیں کہ رک نہیں سکتے۔ شہر سے باہر نکلنا تھا کہ آہ و شیون کا طوفان بلند ہو گیا۔ کاروان کو روک دیا۔ میرے ساتھ دونوں ہمراہی بھی اتر آئے۔ اب مدینہ منورہ روشنیوں سے نہا چکا تھا اور سامنے گنبد خضرا اور میناروں پہ برقی قمقموں سے آنکھیں چکا چوند ہو چکی تھیں۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو طبیعت پھر بے بس ہو گئی۔ اب تو بار بار ایک ہی درخواست تھی۔

اللّٰھم وفقنا العود الی دیار حبیبک صلی اللّٰہ علیہ و سلم ولا یکون ھذا آخر عھد بھا

گرتے پڑتے سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ اب ہماری منزل الریاض تھی۔ اب سب دلچسپیاں ختم ہو چکی تھیں۔ ساری رات سفر جاری رکھا صرف صبح کی نماز اور ناشتہ کے لیے ایک دفعہ جنگل میں رکے اور ظہر کے قریب ریاض پہنچ گئے۔ راستہ میں ہی معلوم ہو گیا تھا کہ جو نوجوان مکہ مکرمہ میں مفرور ہو گیا تھا اور مدینہ طیبہ میں بھی نہ مل سکا اس کا بھائی ریاض میں کہیں مقیم ہے اس لیے آتے ہی اس کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن اتنے بڑے شہر میں بغیر کسی پتہ کے تلاش کرنا ازبس مشکل تھا، تاہم وہاں مقیم پاکستانیوں کے تعاون سے بھاگ دوڑ جاری رکھی اور بالآخر رات کو ۱۲ بجے اسے سوتے میں اس کے مکان میں جا لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مفرور تا حال وہاں نہیں آیا اور مکہ ہی میں ہے۔ اسے مجبور کیا گیا کہ وہ جا کر اسے مکہ سے لے آئے لیکن چونکہ ہم نے پاسپورٹ اسے نہیں دیا تھا۔ اس لیے اسے ساتھ لیے بغیر واپس آ گیا۔ ناچار معاملہ پولیس تک پہنچا جنھوں نے مفرور کا پاسپورٹ اور اس کے بھائی کا اقامہ اپنی تحویل میں لے لیا اور مزید ایک شخص کا مطالبہ کیا جو ان کے ہمراہ جاوے اس لیے حافظ مجتبیٰ کو ہمراہ کر دیا تاکہ مفرور کو اپنی تحویل میں لاوے اور شوکت علی مرحوم کا سرٹیفکیٹ بھی بنا آوے جو ہاشم کمپنی صاحب معلم کی لاپرواہی کی

وجہ سے اب تک نہ مل سکا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی ایجنٹ از حضرتی معلمین کے ہاتھوں حجاج کو فروخت کرکے اپنی کمیشن وصول کر لیتے ہیں پھر نہ تو معلم کسی تعاون کو اپنا منصبی فرض تصور کرتا ہے اور نہ ایجنٹ حضرات!

بلکہ جن کے بس میں جیسے آتا ہے حجاج کرام کی کھال ادھیڑتے ہیں اور ہمارا معلم تو اس معاملہ میں انوکھا ہی ثابت ہوا۔ کاروان سے اگرچہ اسے ہزارہا کی آمدنی ہوئی لیکن اس نے کسی تعاون کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اسی وجہ سے ہمیں ریاض میں جہاں ہماری دلچسپی کی کوئی وجہ نہ تھی بیرون شہر چالیس روز ٹھہرنا پڑا۔ لیکن معلم مدینہ طیبہ اس کے بالعکس انتہائی خوش اخلاق تھا اور اس کے تعاون میں بھی کمی نہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ کی فضا کی سختی و نرمی کا واضح اثر ہے۔ بہرحال ڈاکٹر نعیم الغنی سرجن ملٹری ہسپتال کی تگ و دو اور تعاون سے ہماری روانگی عمل میں آئی ورنہ پولیس کا اعلان تھا کہ جب تک مغرور کو مکہ سے لایا نہیں جائے گا، روانگی نہ ہو سکے گی۔ ۵ فروری کو جب زرقانی پہنچے تو سرحدی کارندوں نے تین اشخاص کی کمی کی بنا پر روک دیا۔ بڑی مشکل سے انھیں سارا معاملہ سمجھایا تو ہمیں اجازت ملی اور ہم سرحد گزر کر کویت میں داخل ہوئے اس سلسلہ میں حلقہ فکر و ادب ناحیل کویت کے ریاض احمد بٹ اور مرزا شفاعت اللہ نے بہت تعاون کیا۔ کویت میں حسب سابق پاکستان سنٹرل اینڈ کمپنی نے کاروان کی مہمان نوازی کی میاں مستری غلام محی الدین قصوری جنھیں یہاں کے لوگ چچا چھوٹی دنیا کے نام سے یاد کرتے ہیں بہت کام آئے۔ جنھوں نے خرید و فروخت اور شہر کی سیر میں بہت تعاون کیا۔ حاجی عبدالواحد سالار کاروان اور بندہ ہمراہی مشتاق احمد باجوہ صاحب ان کے بھائی کے ہاں دعوت میں شریک ہوئے۔ نیز غلام محی الدین قصوری نے بھی دعوت دی۔ اسی اثنا میں حامد مجتبیٰ مغرور کے ہمراہ واپس آ گئے۔ ۷/ فروری کو روانہ ہو کر عراق میں داخل ہوئے۔ سرحد پر چیکنگ ہوئی اور قابل ٹیکس سامان کارندوں نے پاسپورٹ پر درج کر دیا تاکہ کوئی اسے عراق میں فروخت نہ کر سکے اور دوسری سرحد پر اس کی چیکنگ ہو سکے۔

سرحد کے پاس ہی ایک گاؤں میں شام اور عشاء کے درمیان اذان کی آواز آئی جو کافی دیر تک جاری رہی۔ معلوم ہوا کہ کسی شیعہ مسلک کی مسجد سے اذان دی جا رہی ہے۔ سرحد سے کئی میل آگے مین روڈ سے دائیں ہاتھ ایک سڑک نکلتی ہے جو کہ سلمان پاک نامی قصبہ کو جاتی ہے۔ اس قصبہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آسودۂ خاک ہیں اور قریب ہی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور حذیفہ بن یمان جو دو صحابی کی نئی قبریں ہیں جنھیں شاہ عراق نے آج سے قریباً چالیس سال قبل یہاں ان کی پہلی قبروں سے نکال کر دفن کیا تھا۔ یہ دونوں صحابی معرکہ جہاد میں شہید ہو کر دفن ہوئے تھے۔ ساڑھے تیرہ صدیاں گذرنے کے بعد دریا کے قرب کی وجہ سے شاہ عراق نے انھیں وہاں سے منتقل کرکے سلمان پاک قصبہ میں دفن کر دیا۔ اخبارات میں اس وقت یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ان کے جسم بالکل تر و تازہ تھے جسم میں حرارت تھی اور آنکھیں بھی پتھرائی ہوئی نہ تھیں اور کیوں نہ ہو؟ جبھی تو ارشاد ہے:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون۔

مین سڑک کے قریب ہی قریہ زبیر ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف زبیر بن العوام آرام فرما رہے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بہنوئی امیر المومنین عبداللہ کے والد ماجد اور اسماء ذات النطاقین کے شوہر نامدار ہیں۔ چند میلوں کے بعد کھجوروں کے جھنڈ شروع ہو گئے اور اب باقاعدہ باغات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سڑک کے دو رویہ باغ ہیں۔ جن میں مالٹا بھی ہے۔ لیکن کھجور کی کثرت ہے، ہر طرف سرسبزی و شادابی ہے اسے بصرہ کہتے ہیں۔ بصرہ عراق کی بحری بندرگاہ ہے۔ سڑک کے قریب ہی سمندر کا پانی ٹھاٹھیں مارتا نظر آ رہا ہے اور اس میں جہاز اٹکھیلیاں کر رہے ہیں۔ ہمارا راستہ بیرون شہر تھا اور بغداد میں جا کر رکتا تھا۔ بصرہ کا نام ذہن میں آتے ہی ۱۳۰۰ سال سے زائد عرصہ قبل تاریخ کے اوراق یکے بعد دیگرے ذہن میں پلٹ گئے۔ مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں ابوطالب کے لیے اہل و عیال کی کثرت ذرائع آمدن کی قلت مشکلات کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس لیے کسی مضاربت پر مال لے کر ملک شام میں تجارت کے لیے روانگی کی تیاریاں ہو رہی ہیں کہ یتیم بھتیجے نے اصرار کیا کہ چچا میں بھی ہمراہ جاؤں گا۔ چچا کے پیش نظر سفر کی صعوبتیں ہیں گرچہ جدائی برداشت نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی وہ کہہ رہا ہے۔ بیٹا گرمی بہت ہے اور سفر بہت لمبا ہے۔

○ اے انسان! اگر تو معبود حقیقی کی بندگی نہیں کرتا تو اس کی اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو بھی استعمال نہ کر۔

(حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

○ دیدہ و دانستہ گناہ قابل معافی نہیں (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

جو گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو تو جہنم کی آگ اس کے لیے زیادہ موزوں ہے

کمال الدین ۔۔۔ سابق مدرس لاہور کارپوریشن

حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے، پھر وہ قرض دار اس کو کوئی ہدیہ دے یا اپنی سواری پر سوار کرائے تو نہ ہدیہ قبول کرے نہ اس کی سواری پر سوار ہو البتہ اگر اس قرض کے معاملے سے پہلے اس قسم کا برتاؤ دونوں میں تھا تو مضائقہ نہیں۔ (مشکوٰۃ عن انسؓ)

یعنی اگر اس سے پہلے آپس میں اس قسم کے تعلقات ہدیہ وغیرہ کے یا کسی چیز مستعار لینے کے تھے تب تو قرض کی حالت میں بھی اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اگر پہلے سے ایسے تعلقات نہ تھے بلکہ اب قرضدار ہونے کی وجہ سے کر رہا ہے۔ تو وہ سود ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ تم ایسی جگہ کے رہنے والے ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے۔ پس اگر تمہارا کسی شخص کے ذمہ کوئی حق ہو پھر وہ تمہارے ہاں بھس یا گھاس کی گٹھڑی ڈال دے تو اس کو مت لینا وہ سود ہے (مشکوٰۃ)

ہدیہ قبول کرنے میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ دینے والے کی کوئی فاسد غرض تو نہیں ہے جیسا کہ قرض ہی کی صورت۔ وہ علاوہ سود ہونے کے اگر یہ بھی غرض ہے کہ قرض خواہ تقاضا نہ کرے تو یہ سود کے ساتھ رشوت بھی ہے۔ حضورؐ سے بہت سی احادیث میں رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر لعنت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس قوم میں سود کا رواج ہوگا۔ ان پر قحط مسلط ہوگا۔ اور جس قوم میں رشوت کا ظہور ہوگا۔ وہ مرعوب اور خوفزدہ ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے کو اور اس شخص کو جو رشوت کے معاملہ میں درمیانی واسطہ بنے۔ لعنت فرمائی ہے۔ (ترغیب)

حضورؐ نے ایک صاحب کو صدقات وصول کرنے کیلئے بھیجا جب وہ کام کر کے واپس آئے تو اس نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یہ مال تو صدقہ میں ملا ہے۔ اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ کے طور پر دیا ہے۔ حضورؐ نے وعظ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ بعض لوگوں کو صدقہ کا مال وصول کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وہ آ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ مال صدقہ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھتے کہ یہ ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ (مشکوٰۃ)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کی سفارش کرے اور اس سفارش کی وجہ سے اس کو ہدیہ میں کوئی چیز دے اور وہ اس کو قبول کر لے تو وہ سود کے دروازوں میں سے بہت بڑے دروازے میں داخل ہو گیا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ نے مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا جو مجھے راستے سے واپس بلا کر لایا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیوں بلایا ہے۔ کوئی چیز میری اجازت کے بغیر نہ لینا کہ یہ خیانت ہوگی وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران ع۱۷) اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس کو قیامت میں اپنے اوپر لاد کر عدالت میں لائے گا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رفاعہ نے ایک غلام حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ وہ حضورؐ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں گئے۔ وہ ایک موقع پر حضورؐ کے اونٹ پر سامان باندھ رہے تھے۔ کہ ایک تیر کہیں سے آ کر ان کے لگا۔ جس سے وہ شہید ہو گئے۔ لوگوں نے کہا کہ ان کو شہادت مبارک ہو۔ حضورؐ

کے غلام اور پھر اضافہ شہادت کی مبارک بادی کی بات ہو رہی) حضورؐ نے فرمایا: نہیں اس نے ایک چادر کی خیانت کر لی تھی۔ جو اس وقت آگ بن کر اس کو لپیٹ رہی ہے۔

حضرت زید بن خالد فرماتے ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا، جب جنازہ تیار ہوا تو حضورؐ کی خدمت میں نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم ہی اس کی نماز پڑھ لو۔ صحابہ کرامؓ کے چہرے (رنج کی وجہ سے) اتر گئے۔ حضورؐ نے جب ان کو افسردہ دیکھا تو فرمایا کہ اس نے خیانت کر رکھی ہے۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ ہم نے اس مرحوم کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہود کے موتیوں میں سے کچھ چھوٹے چھوٹے موتی (جن کو پوت کہتے ہیں) ملے جو دو درہم (یعنی تقریباً ۷ ار) کے بھی نہ ہوں گے۔ (در منثور)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ خود طیب ہیں۔ اس لیے طیب ہی مال قبول فرماتے ہیں۔ جس شخص کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور حرام ہی مال سے پرورش ہوئی ہے، بھلا اس کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں آدمی کو یہ بھی پروا نہ ہو گی کہ حلال مال سے ملا یا حرام مال سے (مشکوٰۃ)

معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی آمدنی کے ذرائع پر کڑی نظر رکھنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ پیشے کے لالچ میں ناجائز آمدنی سے چشم پوشی کرے۔ اس سلسلے میں اہل علم کی ذمہ داری عام لوگوں سے بڑھی ہوئی ہے کہ وہ جائز ناجائز کو خوب سمجھتے ہیں بالخصوص اہل مدارس اور دوسرے ایسے حضرات جن کا تعلق چندہ کے مال سے ہے۔ ان کو زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ان مدارس کے روپیہ سے جتنا ڈرتا ہوں لوگوں کے مملوکہ روپیہ سے اتنا نہیں ڈرتا۔ اگر کسی کے ذاتی مال میں کچھ بے احتیاطی ہو جائے اس سے آخر میں معاف کرالے تو معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن مدارس کا روپیہ دنیا بھر کا چندہ ہے اور منتظمین مدارس امین ہیں۔ اگر اس میں کوئی خیانت ہو، یا ناحق تصرف ہو تو وہ منتظمین کے معاف کرنے سے معاف تو ہوتا نہیں، البتہ وہ خود معاف کر کے اس جرم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے حقوق العباد کے معاملہ سے محفوظ رکھے کہ یہ بڑی سخت چیز ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن تین کچہریاں عدالتیں ہیں۔ ایک کچہری میں تو معافی کا ذکر ہی نہیں۔ یہ تو شرک اور توحید کی کچہری ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ الآیۃ

خدا تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے معاف کر دیں گے۔

دوسری کچہری میں (بغیر صاحب کے) اللہ تعالیٰ نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ اس کا بدلہ نہ لے اور یہ لوگوں کے ایک دوسرے پر ظلم کی کچہری ہے (چاہے جانی ہو جیسا کہ برا بھلا کہنا، آبروریزی کرنا اور بیجا عیب لگانا وغیرہ وغیرہ یا مالی ہو کہ کسی کا مال ناحق طریقہ سے لے لیا ہو) اور تیسری کچہری اللہ تعالیٰ کے اپنے حقوق کی ہے۔ اس میں چاہے عذاب دے دے چاہے معاف کر دے (مشکوٰۃ)

ان احادیث کا ذکر کرنے سے یہی مقصد ہے کہ آدمی کو اپنی آمدنی پر کڑی نظر رکھنی چاہیے کہ آمدنی اگر حرام ہو تو نہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے نہ اس کے صدقات قبول ہوں۔ مطلب یہ کہ جو گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو تو جہنم کی آگ اس کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اپنے لطف و کرم سے ہم سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے آمین اللھم آمین۔

اظہارِ تعزیت

مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری چودھری ثناء اللہ صاحب بھٹہ کے والد ماجد نیز ڈیرہ اسمٰعیل خاں جمعیۃ علماء اسلام کے محترم بزرگ حاجی یار محمد صاحب کے صاحبزادے محمد عابد پچھلے دنوں انتقال کر گئے۔

ادارہ ہر دو حضرات کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ (ادارہ)

ٹیلیفون نمبر ۶۵۵۲۵

ہفت روزہ **خدام الدین** لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۴

بقیہ: مجلسِ ذکر

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کوشش کا ثمرہ ہے اور کلکتہ کی ایک مخیر عورت صولت النساء کے بہت بڑے عطیہ کے پیش نظر یہ نام رکھا گیا جبکہ مدرسۃ الشرعیہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے برادر بزرگ مولانا سید احمد قدس سرہ کی یادگار ہیں جو بعد میں آپ کے برادر اصغر مولانا سید محمود چلاتے رہے اور اب آپ کے صاحبزادہ نگران ہیں۔

یہ مدارس مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی حقیقت میں شاخیں ہیں۔ دارالعلوم جسے چند باخدا انسانوں نے شروع کیا [illegible] سے زیادہ سال گزار چکا ہے۔ اس عرصہ میں علمی، سماجی، تہذیبی، تمدنی اور سیاسی اعتبار سے اس نے جو خدمت سرانجام دیں ان کا تذکرہ کرنے کے لیے طویل وقت درکار ہے۔ دیوبند نے شمع حریت روشن کی [illegible] حصول کا سہرا اس مدرسہ اور اس کے خدام و متعلقین کے سر ہے۔ اس کے ساتھ علوم شریعت کی حفاظت، اغیار کے فکری، تہذیبی اور لسانی فتنوں سے ملت کو بچانا دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مدارس اور اس قسم کے تمام تر ادارے اپنے بانیوں اور معاونین کے لیے رہتی دنیا تک باعث اجر و ثواب ہیں۔ جناب نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ موت کے بعد تین چیزوں کے اثرات مسلسل جاری رہتے ہیں۔ جن میں سے ایک اس قسم کے ادارے ہیں جو خلق خدا کی صلاح و فلاح کے ضامن و باعث ہیں۔

بہرحال دعا ہے کہ اللہ رب العزت خیر و صلاح کے ان چشموں کو تا قیامت قائم رکھے اور ہمیں ان سے صحیح وابستگی اور ان کی خدمت نصیب فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

ضروری اعلان

حضرت جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور کے سفر حج کے تاثرات نیز عالم اسلام کے حکمرانوں اور علماء کی خدمت میں بعض اہم مشورے عنقریب پیش خدمت ہوں گے۔ (ادارہ)

مولانا عبیداللہ انور پرنٹر و پبلشر نے خواجہ طارق لطیف کیمبرج پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔